www.urducouncil.nic.in

اکتوبر 2017 قیمت:- /10₹

ماہنامہ

بچوں کی دنیا

نئی دہلی

Monthly BACHON KI DUNIYA, New Delhi

قومی اردو کونسل کی فخریہ پیش کش

اردو دنیا

تمام تر رنگین صفحات اور دیدہ زیب تصاویر سے مزین ماہانہ عالمی جریدہ جسے آپ پوری دنیا میں اردو زبان کے کسی بھی ماہنامے سے بہتر پائیں گے۔ اردو کو آج کی دنیا سے جوڑنے والا اور عام اردو قاری و ادبی حلقوں کی دلچسپی کے ساتھ طلبا و اساتذہ کی ضرورتوں کا بھی خیال رکھنے والا اردو کا ماہنامہ

ہر شمارے میں پڑھیے، اردو کے ادبی شاہکاروں کے علاوہ، علمی مضامین، ادبی انٹرویو، تاریخ، سائنس، صحافت، نئی کتابوں پر تبصرے، قومی اردو کونسل کی سرگرمیوں، سیمیناروں اور فروغ اردو سے متعلق نئی کاوشوں کا احوال اور بہت کچھ!

فی شمارہ: 15 روپے، سالانہ: 150 روپے

اردو زبان میں علم و آگہی کا معتبر ادبی جریدہ

سہ ماہی فکر و تحقیق

قومی اردو کونسل کی منفرد پیش کش

اردو زبان و ادب سے متعلق اہم تنقیدی و تحقیقی موضوعات پر فکر انگیز اور تلاش و جستجو کو صحیح سمت دینے والے مواد کے ساتھ ہر تین ماہ بعد منظر عام پر آنے والا نہایت سنجیدہ علمی مجلہ خود بھی پڑھیں اور دوسروں کو بھی پڑھنے کا مشورہ دیں!

ہندستانی خریداروں کے لیے سالانہ قیمت: 100 روپے، فی شمارہ: 25 روپے

(قومی اردو کونسل کی ویب سائٹ http://www.urducouncil.nic.in پر بھی دستیاب)

آج ہی اپنے نزدیکی بک اسٹال سے طلب کیجیے یا ہمیں لکھیے

شعبۂ فروخت: قومی کونسل برائے فروغ اردو زبان، ویسٹ بلاک 8، ونگ 7، آر کے پورم، نئی دہلی 110066 فون: 26109746 فیکس: 26108159

E-mail.:ncpulsaleunit@gmail.com, sales@ncpul.in

بچوں کی دنیا

جلد: 5 شمارہ: 10 اکتوبر 2017

مدیر: پروفیسر سید علی کریم (ارتضیٰ کریم)

نائب مدیر: ڈاکٹر عبدالحی

ناشر اور طابع

ڈائرکٹر قومی کونسل برائے فروغ اردو زبان

وزارت ترقی انسانی وسائل، محکمہ اعلیٰ تعلیم، حکومتِ ہند

فروغ اردو بھون، ایف سی 33/9، انسٹی ٹیوشنل ایریا،

جسولہ، نئی دہلی-110025

فون: 49539000

شعبہ ادارت: 11-49539009

ای میل

bachonkiduniya@ncpul.in

editor@ncpul.in

ویب سائٹ

http://www.urducouncil.nic.in

قیمت: /10 روپے، سالانہ: /100 روپے

• اس شمارے کے قلم کاروں کی آرا سے قومی اردو کونسل اور اس کے مدیر کا متفق ہونا ضروری نہیں

Total Pages: 64

'بچوں کی دنیا' کی خریداری کے لیے چیک، ڈرافٹ یا منی آرڈر بنام NCPUL شعبہ فروخت کے پتے پر بھیجیں اور وضاحت طلب امور کے لیے وہیں رابطہ فرمائیں۔

شعبہ فروخت

ویسٹ بلاک 8، ونگ 7، آر کے پورم

نئی دہلی-110066

فون: 26109746

ای میل: sales@ncpul.in

ncpulsaleunit@gmail.com

علاقائی مرکز: 110-7-22، تھرڈ فلور، ساجد یار جنگ کمپلکس

بلاک نمبر 5-1، چھتہ بازار، حیدرآباد-500002

فون: 040-24415194

اس شمارے میں

مدیر کا خط	آپس کی باتیں		04
بڑوں کی باتیں	ڈاک خانہ		05
کور اسٹوری	باپو کی نذر	حنیف کیفی	06
	مہاتما گاندھی اور بھارت چھوڑو تحریک	تسلیم عارف	07
	باپو جی	عبدالرزاق دل	11
مضامین	ہندوستان صدر جمہوریہ	عمیر الٰہی	12
	سونامی کیسے پیدا ہوتی ہے؟	ناظمہ پروین	15
نظمیں	کھائے کبوتر دانہ	مہدی پرتاپ گڑھی	17
	شیر کی باتیں سن کر	ضیاء الرحمن جعفری	19
	چیونٹی	معراج احمد معراج	19
مضمون	سادہ رہن سہن، اونچی سوچ	سیدہ نوشاد بیگم محمود	20
کہانیاں	امیدوں کا شجر	عطیہ بی	22
	ہمت کی ہمالہ: ام الخیر	اسلم جاوداں	25
	سمجھداری اور ناسمجھی کے کھیل	ایم رحمٰن	28
نظمیں	غزل	کوثر بھگوت پوری	30
	ہر میداں میں آگے بڑھو تم	ساحر داؤد نگری	31
کہانیاں	ہمت کی فتح	سالک جمیل براڑ	32
	بیٹی	محمد محب اللہ	34
باتصویر کہانی	ایک دکھ بھری کہانی	اقبال برکی	36
قسط وار ناول	زمین کی تہ میں	شکیل صدیقی	40
کہکشاں	بڑے لوگ بڑی باتیں		48
	تنک ستے گرہ	تنویر اختر رومانی	50
	جنرل نالج (معلومات)	انصاری مسعود احمد مختار احمد	52
	چمکتے موتی	نوشین بانو محمد انیس باغوان	53
	مشکلات کا سامنا کریں	شیخ عاطف اسلم	53
	عقل مندی	صدیقی نصرت	54
	اقوال زریں	انصاری صنوبر بانو مختار احمد	54
	آؤ اردو سیکھیں		55
ننھے فنکار	جس کے غبارے	عرشیہ بی اسحٰق شاہ	57
	جھوٹ کا انجام	عرشیہ بی اسحٰق شاہ	58
	شیر لگے گھاس چرنے	سید مزمل سید کلیم	59
	بچوں کی پینٹنگ		60
آپ کی باتیں	اردو فیس بک		62

آپس کی باتیں

پیارے دوستو! اکتوبر کا شمارہ آپ کے ہاتھوں میں ہے۔ آپ جانتے ہیں کہ ماہ اکتوبر ہم سب کے لیے کئی معنوں میں اہمیت کا حامل ہے۔ اس ماہ میں گاندھی جی، سردار پٹیل اور ہندوستان کے دوسرے وزیر اعظم لال بہادر شاستری کی پیدائش ہوئی تھی۔ سال 2017 بھی ہمارے لیے کافی اہمیت کا سال ہے کہ جہاں ہم نے آزادی کے 70 برس پورے ہونے کا جشن منایا وہیں بھارت چھوڑو تحریک کے بھی 75 سال پورے ہوگئے۔ یہ ملک کی آزادی کی جدوجہد کا ایک اہم اور ناقابل فراموش باب ہے۔ اس تحریک نے آزادی کی لڑائی کو ایک سمت دی اور انگریزوں نے کچھ ہی برسوں کے بعد بھارت چھوڑنے کا فیصلہ کرلیا۔

9 اگست 1942 وہ دن تھا جب گاندھی جی نے اس تحریک کا آغاز کیا تھا۔ انھوں نے ممبئی سے اس آندولن کی شروعات کی۔ لیکن جلد ہی یہ تحریک پورے ملک میں پھیل گئی اور ملک کے سبھی شہریوں نے اس جدوجہد میں گاندھی جی کا ساتھ دیا۔ بعد میں اس تحریک سے لال بہادر شاستری بھی جڑے اور ان کی وجہ سے ہزاروں نوجوانوں اور کسانوں نے بھی اس تحریک میں اہم رول ادا کیا۔ گاندھی جی اور شاستری جی دونوں کا اس تحریک میں اہم کردار رہا۔ دونوں ہی انگریزوں کے عتاب کا شکار ہوئے اور گرفتار کیے گئے۔ یہی وہ تحریک تھی جس میں پہلی دفعہ نوجوانوں نے اپنی طاقت کا کھل کر مظاہرہ کیا تھا اور لاکھوں نوجوانوں نے کالج اور تعلیم چھوڑ کر اس آندولن کا حصہ بننا قبول کیا۔ گاندھی جی کے کرو یا مرو، لال بہادر شاستری کے جے جوان جے کسان اور یوسف مہر علی کے بھارت چھوڑو جیسے نعروں نے ملک کے ہر شہری میں آزادی کی جوت جگانے کا کام کیا اور آخر کار 1947 میں انگریزوں کو بھارت چھوڑنے پر مجبور ہونا پڑا۔ شاستری جی نے اپنی پوری زندگی انسانیت اور قوم کے نام کردی تھی۔ وہ گاندھی جی کے عدم تشدد اور امن کے اصولوں پر ساری زندگی سختی سے عمل کرتے رہے۔ ایک بے حد عام سے خاندان میں پیدا ہونے والے اس خاص شخص نے ہندوستان کی تعمیر و ترقی میں اہم کردار ادا کیا۔

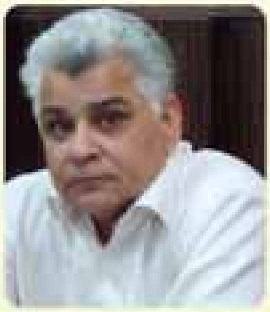

یہ ملک ہمیں اپنے اسلاف کی قربانیوں اور کوششوں سے ملا ہے اور اس کی حفاظت کی ذمے داری بھی ہم سب کی ہے۔ آزادی کے اتنے برسوں بعد بھی ہمارے ملک میں غریبی، گندگی اور بھوک مری جیسے مسائل ہیں۔ ان سب سے نجات پانے کے لیے حکومت اپنی سطح پر کوششیں کررہی ہے لیکن ہمیں چاہیے کہ ہم بھی اپنی اپنی سطح پر کوششیں کریں۔ اپنے گھر کے بچے ہوئے کھانے، روپے، پرانے کپڑوں سے ہم غریب بچوں کی مدد کرسکتے ہیں۔ اسی طرح اپنے آس پاس کے علاقوں میں صفائی ستھرائی رکھ کر ہم 2 اکتوبر 2014 کو شروع کیے گئے سوچھ بھارت ابھیان کا حصہ بن سکتے ہیں۔ ان دنوں ملک کے کئی حصوں میں سیلاب سے لاکھوں لوگ متاثر ہوئے ہیں۔ آپ سب بچے اسکولوں میں اپنے اساتذہ کے ساتھ اس سلسلے میں کوششیں کریں کہ ان علاقوں تک کیسے مدد پہنچائی جاسکے۔ یہ ملک ہم سب کا ہے اور ملک کے تمام مسائل کو ہم سب مل جل کر ہی حل کرسکتے ہیں۔

'بچوں کی دنیا' کے اس شمارے میں گاندھی جی اور بھارت چھوڑو تحریک کے حوالے سے خصوصی مضمون شامل کیا جارہا ہے۔ حال ہی میں ہمارے صدر جمہوریہ کا انتخاب ہوا ہے۔ ملک کے ابھی تک کے منتخب صدور پر بھی ایک مضمون ہے۔ اس کے علاوہ دلچسپ کہانیاں اور خوبصورت نظمیں آپ کو ضرور پسند آئیں گی۔ آپ سب کے خطوط کا ہمیں انتظار رہتا ہے۔ شمارے پر اپنے تاثرات سے آگاہ کرنا نہ بھولیں۔ ہم آپ کے مشوروں سے 'بچوں کی دنیا' کو آپ کی پسند کے مطابق سنوارنے کی کوشش کرتے ہیں۔

آپ کا

پروفیسر سید علی کریم (ارتضیٰ کریم)

ڈاک خانہ

میں سیکنڈری اسکول کا ریٹائرڈ سائنس ٹیچر ہوں۔ 'اردو دنیا' اور بچوں کی دنیا کا مستقل قاری ہوں۔ ہر مہینے وقت پر رسالے بذریعہ ڈاک موصول ہوتے ہیں، ماہ اگست کا بچوں کی دنیا ہاتھ میں ہے، سارے مشمولات قابل مطالعہ ومعلومات ہیں۔

ماہ جون سے بچوں کی دنیا میں ایک سلسلہ وار کہانی 'ایک دکھ بھری کہانی' کے عنوان سے 1984 کے بھوپال گیس سانحہ کے متعلق شائع ہو رہی ہے، جولائی مہینے کی قسط میں یہ تحریر ہے کہ بھوپال کی یونین کاربائیڈ کے اس کارخانے میں سیل Batteries بنائے جاتے تھے اور وہ گیس جس کا اخراج ہوا یعنی میتھل آئیسو سائنائیڈ، یہ گیس سیل میں بھری جاتی ہے، حالانکہ حقیقت اس کے برخلاف ہے کہ بھوپال کا وہ کارخانہ کیڑا مار دوا یعنی Pesticides تیار کرتا تھا اور یہ خطرناک گیس کیڑا مار دوا تیار کرنے کے لیے استعمال ہوتی ہے اور ابھی اگست کے شمارے میں اس کہانی کی اگلی قسط میں لکھا ہے کہ میتھل آئسو سائنائیڈ گیس میں کوئی بو نہیں ہوتی جو غلط بیانی ہے، کیونکہ یہ گیس شدید تیز بو رکھتی ہے۔ دیگر آپ کے پورے عملے کو اتنا خوبصورت بچوں کا رسالہ شائع کرنے کے لیے مبارکباد اور شکریہ!

* آپ کا شکریہ کہ آپ نے درست جانکاری دی۔ ادارہ نے اس سلسلے میں مصنف سے رابطہ کیا ہے۔ ان کا جواب آنے پر ہم وہ بھی شائع کردیں گے۔ (ادارہ)

رفیق ابراہیم پیکار، حلیمہ منزل، کرجی، آشیت محلہ، تعلقہ: کھیڈ، رتناگیری، مہاراشٹر

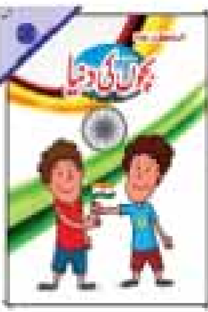

بچوں کی دنیا اردو ادب کے چاہنے والوں کے لیے ایک انمول تحفہ ہے۔ اس سے ان لوگوں میں بھی اردو کی محبت پیدا ہوگئی ہے جو اردو سے دور رہتے تھے۔ اس کے مضامین عمدہ ہوتے ہیں۔ جون کے ماہ کا بچوں کی دنیا نظر نواز ہوا۔ پڑھ کر دل باغ باغ ہوگیا۔ اس کے سارے مضامین قابل تعریف ہیں۔ اسمٰعیل میرٹھی کی نظم پسند آئی۔

عمران انصاری برہان پوری، مومن پورہ برہان پور، ایم پی

ماہنامہ 'بچوں کی دنیا' نے نہ صرف بچوں میں بلکہ بڑوں میں بھی اچھی خاصی دھوم مچا رکھی ہے۔ پوری اردو دنیا میں ایسا خوبصورت وشاندار اور دیدہ زیب وباوقار رسالہ کبھی دیکھا نہ تھا۔ اس کی مقبولیت اور شہرت کو دیکھتے ہوئے دل میں للک پیدا ہوتی رہتی ہے کہ برابر اس کی بزم میں شریک ہوتا رہوں۔

عقار ٹونکی، کالی پلٹن روڈ، پل محمد خاں، ٹونک، راجستھان

ماہنامہ 'بچوں کی دنیا' برابر زیر مطالعہ ہے۔ واقعی رسالہ کافی عمدہ ہی نہیں ادب اطفال کی دنیا میں اہم ترین ایک سنگ میل کی حیثیت رکھتا ہے۔ دلچسپ کہانیاں، معلوماتی مضامین، سیاحتی مقام، دماغی ورزش اور بہت کچھ...... شاندار اور جاندار رسالہ نکال کر واقعی آپ کا ادارہ اردو زبان و ادب کی بیش بہا خدمت انجام دے رہا ہے۔ رسالے کے مشمولات میں جو تنوع ہے وہ واقعی قابل تعریف ہے۔

سلطان احمد ساحل، گولموری، جمشید پور (جھارکھنڈ)

حنیف کیفی

باپو کی نذر

روشن کیا ہے تونے بھارت کا نام گاندھی
دنیا سمجھ رہی ہے تیرا مقام گاندھی
ہر ایک کی زباں پر ہے تیرا نام گاندھی
کرتے ہیں دل سے تیرا سب احترام گاندھی
اپنے ہوں یا پرائے، وہ دوست ہوں کہ دشمن
سب کے لیے ہی تیرا ہے فیض عام گاندھی
چھوٹے بڑے کی تونے تفریق ہی مٹا دی
تیری نظر میں یکساں سب خاص و عام گاندھی
تونے گرے ہوؤں کو بڑھ کر گلے لگایا
نیچوں کو تونے بخشا اونچا مقام گاندھی
کتنا بڑا ہے احساں انسانیت پہ تیرا
انسان کا بڑھایا تونے مقام گاندھی
تاریکیوں میں گم ہیں گو منزلیں ہماری
ہے رہ نما ہمارا تیرا پیام گاندھی
اے امن کے فرشتے، سچائی کے پجاری
میری نگاہ میں ہے تیرا مقام گاندھی
آیا ہوں نذر لے کر اپنی عقیدتوں کی
کرلے قبول میرے دل کا سلام گاندھی

■
Prof. Hanif Kaifi
A-47, Zakir Bagh, Okhla Road
New Delhi - 110025

تسلیم عارف

پیارے بچو! جیسا کہ تمھیں معلوم ہے کہ ہمارا ملک 15 اگست 1947 کو آزاد ہوا اور اس کا جمہوری آئین 26 جنوری 1950 کو نافذ ہوا۔ یہی وجہ ہے کہ یہ دونوں دن ہمارے ملک کے لیے بے حد اہم ہیں اور ہندستان میں قومی تہوار کے طور پر پورے ملک میں نہایت جوش وخروش کے ساتھ منائے جاتے ہیں۔ لیکن یہ آزادی ہمیں یوں ہی نہیں حاصل ہوئی۔ اس کے لیے بڑی قربانیاں دی ہیں۔ ہزاروں کی تعداد میں لوگوں کو اپنی جانیں گنوانی پڑیں، انگریزوں کے ظلم سہنے پڑے، مختلف تحریکیں چلانی پڑیں۔ بڑی بڑی شخصیات نے ملک کو آزاد کرانے کے لیے اپنی زندگی لگادی۔ اپنے چین سکون، خاندان کو چھوڑ کر آزادی کے لیے اپنا سب کچھ قربان کر دیا۔ ہندستان تقریباً 200 برسوں تک انگریزوں کا غلام رہا۔ غلامی سے تنگ آکر ہندستانیوں نے انگریزوں کے خلاف سنہ 1857 سے ہی تحریکیں چلانی شروع کردی تھیں لیکن کسی اچھی تیاری اور آپسی اتحاد کی کمی نے انھیں کامیاب نہیں ہونے دیا۔ ہندستانیوں کی خوش نصیبی رہی کہ انھیں گاندھی جی جیسا لیڈر ملا جس نے ملک کے تمام لوگوں کو ایک ساتھ کھڑا کیا۔ گاندھی جی کو آزادی کی لڑائی میں تمام مذاہب کے لوگوں اور ملک کے تمام باشندوں کا ساتھ ملا، تب کہیں ان تمام لوگوں کی کوششوں کے بعد انگریزوں سے ملک کو آزادی ملی۔

گاندھی جی بچپن سے سچ کا ساتھ دینے والے تھے اور ناانصافی کو پسند نہیں کرتے تھے۔ ان کے اسکول کا وہ مشہور واقعہ تو تمھیں یاد ہی ہوگا جب ان کو ایک استاد نے امتحان میں نقل کرنے کے لیے کہا اور انھوں نے یہ غلط کام نہیں کیا۔ حالاں کہ انھیں اس کے لیے بعد میں سزا بھی ملی۔ گاندھی جی کو جنوبی افریقہ میں بھی جب گورے کالے کے فرق کی وجہ سے ریل سے باہر کردیا گیا تو اس واقعے نے ان کے دل پر گہرا اثر کیا اور ہندستان واپسی پر وہ انگریزوں سے ملک کو آزاد کرنے کی کوششوں میں لگ گئے۔

کہتے ہیں کسی بھی مقابلے میں جیت حاصل کرنی ہو تو اس

کے لیے مضبوط ارادہ اور جیتنے کا جذبہ ہونا بہت ضروری ہے۔ گاندھی جی اپنے ارادے میں بہت پکے تھے۔ انھوں نے ہندستان کے لوگوں میں جو کمزوریاں یا خرابیاں دیکھیں، انھیں بھی دور کرنے کی کوشش کی، کیوں کہ وہ جانتے تھے کہ جب تک ہندستانیوں کے اندر سے گورے اور کالے، اونچی اور نیچی ذات کا فرق، مذہب کی لڑائی کو دور نہیں کیا جائے گا، ان کے اندر ایک قومیت اور انسانیت کا جذبہ نہیں جگایا جائے گا، اصل میں انھیں آزادی نہیں مل سکتی۔ گاندھی جی کے اسی جذبے نے ملک بھر میں انھیں پیار دیا اور ان کی باتیں غور سے سنی گئیں۔ گاندھی جی نے ملک کو آزاد کرنے کے لیے مختلف تحریکیں چلائیں، جن میں پورے ہندستان سے انھیں مدد ملی۔ ان تحریکوں میں 'تحریکِ عدمِ تعاون'، 'ڈانڈی مارچ'، 'ستیا گرہ' اور 'بھارت چھوڑو تحریک' کافی اہم ہیں۔

گاندھی جی کی مختلف تحریکوں میں سنہ 1942 کی 'بھارت چھوڑو تحریک' بھی ہے جس نے انگریزوں کی حکومت کو ہلا کر رکھ دیا۔ یہ تحریک آزادی دلانے میں بہت اہم ثابت ہوئی اور ہندستانیوں کو یہ محسوس ہونے لگا کہ اب آزادی ملنے میں زیادہ دن نہیں رہ گئے ہیں۔ اگست 2017 میں اس تحریک کے پچھتر (75) برس بھی پورے ہوئے ہیں۔ اس لیے آگے ہم اس تحریک کے تعلق سے آپ سے کچھ باتیں کریں گے جس سے آپ اس تحریک کو سمجھ سکیں۔

برطانوی حکومت کا کمزور ہونا

دوسری عالمی جنگ میں جرمنی، جاپان اور اٹلی سے برطانیہ، آسٹریلیا، چین اور امریکہ وغیرہ کی لڑائی 1937 میں شروع ہوئی جس میں برطانیہ کو جان اور مال کا کافی نقصان ہو رہا تھا۔ اس کی وجہ سے برطانیہ نے اپنا پورا دھیان اسی جنگ میں لگا دیا تھا۔ ادھر عالمی جنگ میں جاپان برطانیہ کے دوست ملکوں پر حملہ کرتا ہوا برما اور ملایا تک آ گیا تو خطرہ ہوا کہ وہ ہندستان پر بھی حملہ کر دے گا۔ اس لیے برطانوی حکومت کو ہندستانیوں سے مدد چاہیے تھی کہ وہ جاپان کے خلاف جنگ میں برطانیہ کا ساتھ دیں لیکن ہندستانیوں نے اس سے صاف انکار کر دیا۔ اس وجہ سے انگریزوں کو جنگ کے لیے لوگ نہیں مل پا رہے تھے اور انگریز حکومت پریشان تھی کہ وہ کس طرح اپنی فوج میں اضافہ کرے۔ اس لیے انگریز حکومت ہندستانی لیڈروں سے بات چیت کے لیے مجبور ہوئی۔

آزادی کا مطالبہ

گاندھی جی کا یہ خیال تھا کہ ہندستان میں انگریز حکومت ہے، اسی لیے جاپان ہندستان پر حملہ کرنا چاہے گا، اس لیے

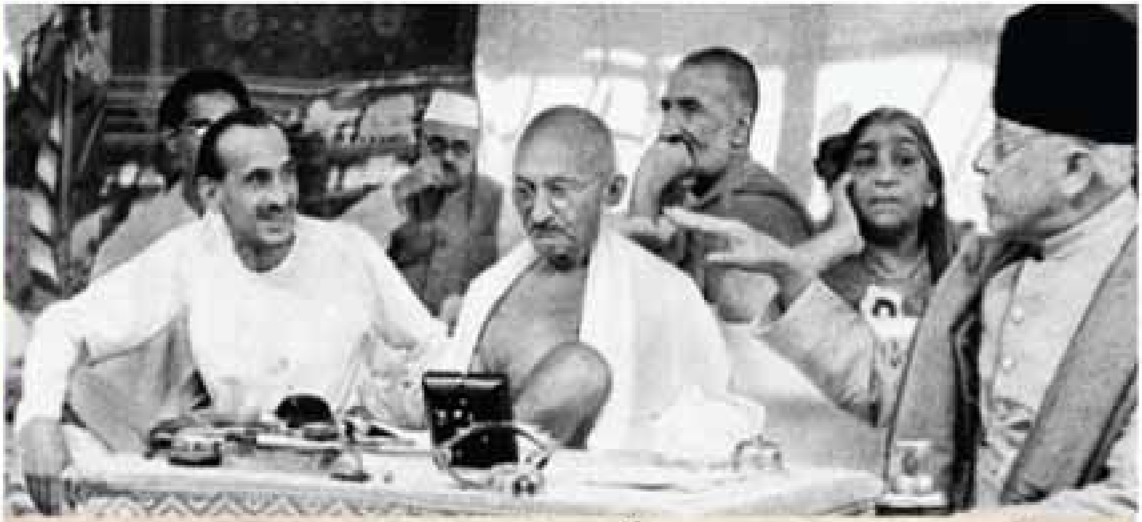

انھوں نے انگریزوں سے ملک سے جانے کا مطالبہ کیا اور مکمل آزادی کی مانگ کی۔ انھوں نے یہ بات بھی کہی کہ اگر ہندستان کو آزادی مل جائے تو وہ برطانوی حکومت کی مدد کریں گے۔ اس مطالبے نے انگریزوں کے لیے مشکلیں بڑھا دیں۔

کرپس مشن اور اس کی ناکامی

ہندستانی لیڈروں سے بات کرنے کے لیے برطانیہ نے مارچ 1942 میں کرپس مشن کے نام سے چند لوگوں کا وفد ہندستان بھیجا تاکہ وہ گاندھی جی اور ان کے ساتھیوں سے بات کر کے ہندستان کے لوگوں کو دوسری جنگ عظیم میں شامل کرائیں۔ یہ وفد اسٹیفورڈ کرپس (Stafford Cripps) کے ساتھ آیا تھا۔ انھوں نے گاندھی جی اور دوسرے ہندستانی لیڈروں کے آزادی کے مطالبے پر اپنی شرطیں لگاتے ہوئے کہا کہ آزادی اس طرح سے دی جائے گی کہ فوج اور دوسری چیزیں برطانیہ کے ہاتھ میں رہیں گی اور جنگ کے بعد ہندستان کو کچھ اختیارات دیے جائیں گے۔ جبکہ جنگ کے بعد مکمل آزادی کا مطالبہ کیا جا رہا تھا۔ یہی وجہ تھی کہ اس ادھوری آزادی کو گاندھی جی اور ان کے ساتھیوں نے قبول نہیں کیا اور برطانیہ کا یہ کرپس مشن ناکام ہو گیا۔

ممبئی کا اجلاس اور گاندھی جی کی تقریر

8 اگست 1942 کو ہندستان کو مکمل طور پر آزاد کرنے کے لیے مولانا ابوالکلام آزاد کی صدارت میں انڈین نیشنل کانگریس کا ایک بہت بڑا اجلاس منعقد کیا گیا۔ گاندھی جی نے اس میں تقریباً ۷۰ منٹ کی طویل تقریر کی۔ گاندھی جی نے اس تقریر میں انگریز حکومت کے خلاف کئی باتیں کہیں۔ گاندھی جی نے یہ صاف طور پر کہا کہ اب انگریزوں کو ہمارا ملک چھوڑ کر جانا ہوگا۔ اسی کے ساتھ ہندستانیوں کو انھوں نے 'کرو یا مرو' کا پیغام دیا یعنی اگر اب یا تو آپ انگریزی حکومت کے خلاف تحریک میں شامل ہوں یا مرنے کے لیے تیار رہیں۔ اس تقریر کا اثر پورے ملک میں ہوا اور ان کے اندر آزادی کا جذبہ بڑھ گیا۔ اسی اجلاس سے 'بھارت چھوڑو تحریک' کی شروعات کی گئی۔ اگلے دن 9 اگست کی صبح سے ہی انگریز حکومت نے اس تحریک کے خطرے کو سمجھتے ہوئے انڈین نیشنل کانگریس کے لیڈروں کو گرفتار کرنا شروع کر دیا۔ گاندھی جی اور بڑے بڑے لیڈروں کو جیل میں بند کر دیا گیا اور اس تحریک کو ناکام بنانے کی

کوشش کی گئی۔

لال بہادر شاستری کی عقل مندی

انگریزوں نے تمام اہم کانگریس لیڈروں کو جیل میں ڈالنے کا کام شروع کردیا تو اسے دیکھ کر لال بہادر شاستری جو آزادی کے بعد ہمارے ملک کے دوسرے وزیرِ اعظم بنے، چھپ کر اس تحریک کو چلاتے رہے۔ عوام کے جذبے کو ابھارنے کے لیے انھوں نے یہ عقل مندی کی کہ گاندھی جی کے نعرے 'کرو یا مرو' کو وقت کے حساب سے بدل کر 'مرو نہیں مرو' کردیا جس کو سن کر عوام کے اندر آزادی کا جذبہ اور بڑھ جاتا تھا۔ یہ اتفاق ہی کی بات کہی جائے گی کہ مہاتما گاندھی اور لال بہادر شاستری دونوں کی تاریخ پیدائش (دو اکتوبر) ہی ہے۔ کچھ دن اسی طرح تحریک چلانے کے بعد آپ کو بھی گرفتار کرلیا گیا اور اب تقریباً تمام کانگریس کے لیڈر قید کرلیے جا چکے تھے۔ جنھیں دوسری جنگ عظیم کے بعد ہی آزاد کیا گیا۔

بھارت چھوڑو تحریک کا اثر

بھارت چھوڑو تحریک کو دبانے کے لیے انگریزی حکومت نے کافی کوششیں کیں لیکن یہ تحریک ملک میں بہت تیزی سے پھیل چکی تھی۔ تمام کانگریسی لیڈروں جیسے جواہر لال نہرو، مولانا ابوالکلام آزاد، مہادیو بھائی، میرا بین اور کستوربا گاندھی کے جیل چلے جانے کے بعد پورے ملک میں انگریزوں کے خلاف جلوس نکالے گئے۔ ملک بھر میں بہت جگہوں پر توڑ پھوڑ بھی کی گئی۔ لوگوں نے سرکاری عمارتوں میں آگ لگا دی۔ پورے ملک میں انگریزوں کے خلاف ہڑتال ہونے لگے۔ اسی تحریک کے دوران کستوربا گاندھی کی موت ہوگئی اور گاندھی جی کو ملیریا ہوگیا جس کی وجہ سے وہ بہت زیادہ بیمار پڑ گئے تھے۔ تحریک کے دوران ارونا آصف علی اور اوشا مہتا انڈر گراؤنڈ ریڈیو اسٹیشن سنبھالتے رہے اور پورے ملک میں تحریک سے جڑے لوگوں کو ملک کے دوسرے حصوں میں ہو رہی تحریک کی باتیں پتا چل جاتی تھیں۔ نومبر 1942 میں انگریزی حکومت نے انھیں بھی پکڑ لیا۔ تقریباً ایک سے ڈیڑھ برس چلی یہ تحریک بھلے ہی ناکام ہوگئی لیکن اس کا اثر یہ ہوا کہ اس نے تمام ملک کے عوام کو آزادی کے لیے ایک کر دیا۔ انگریزوں کے مظالم کے خلاف لوگوں کے جذبے کو اور مضبوط کردیا اور دوسری جنگ عظیم کے بعد انگریزی حکومت کی حالت عالمی پیمانے پر خراب ہونے کی وجہ سے یہ طے ہوگیا کہ انھیں اب ہندستان کو چھوڑ کر جانا ہی ہوگا۔ یہی وجہ تھی کہ اس تحریک کے پانچ برس بعد ہی ہمیں آزادی مل گئی۔

پیارے بچو! گاندھی جی نے جس طرح پکے ارادے کے ساتھ ملک کی آزادی کو اپنا مقصد بنایا، تمام ملک کے لوگوں کی کوششوں سے وہ آزادی آخر کار مل ہی گئی۔ گاندھی جی کی زندگی اور بھارت چھوڑو تحریک سے ہم ایک سبق یہ لے سکتے ہیں اگر ہمیں کوئی مقصد حاصل کرنا ہے تو بھلے ہی اس میں وقت لگے، ہمیں پوری ایمان داری کے ساتھ اس کو حاصل کرنے کی کوشش کرنی چاہیے، ہمیں کامیابی ضرور حاصل ہوگی اور دوسرا سبق یہ کہ اگر ہم ایک ساتھ مل کر کسی مصیبت کا سامنا کریں تو وہ مصیبت ضرور ہم سے دور ہوجائے گی، چاہے وہ مصیبت کتنی ہی بڑی کیوں نہ ہو۔ امید ہے کہ تم بھی اپنی زندگی میں ان چیزوں کو یاد رکھتے ہوئے کامیابی کی کوششوں میں کمی نہیں کروگے۔

■

Dr. Tasleem Arif
C/o Ale Nabi Khan
Bariatu Basti, Near Transformer
Ranchi-834001 (Jharkhand)

عبدالرزاق دل

باپو جی

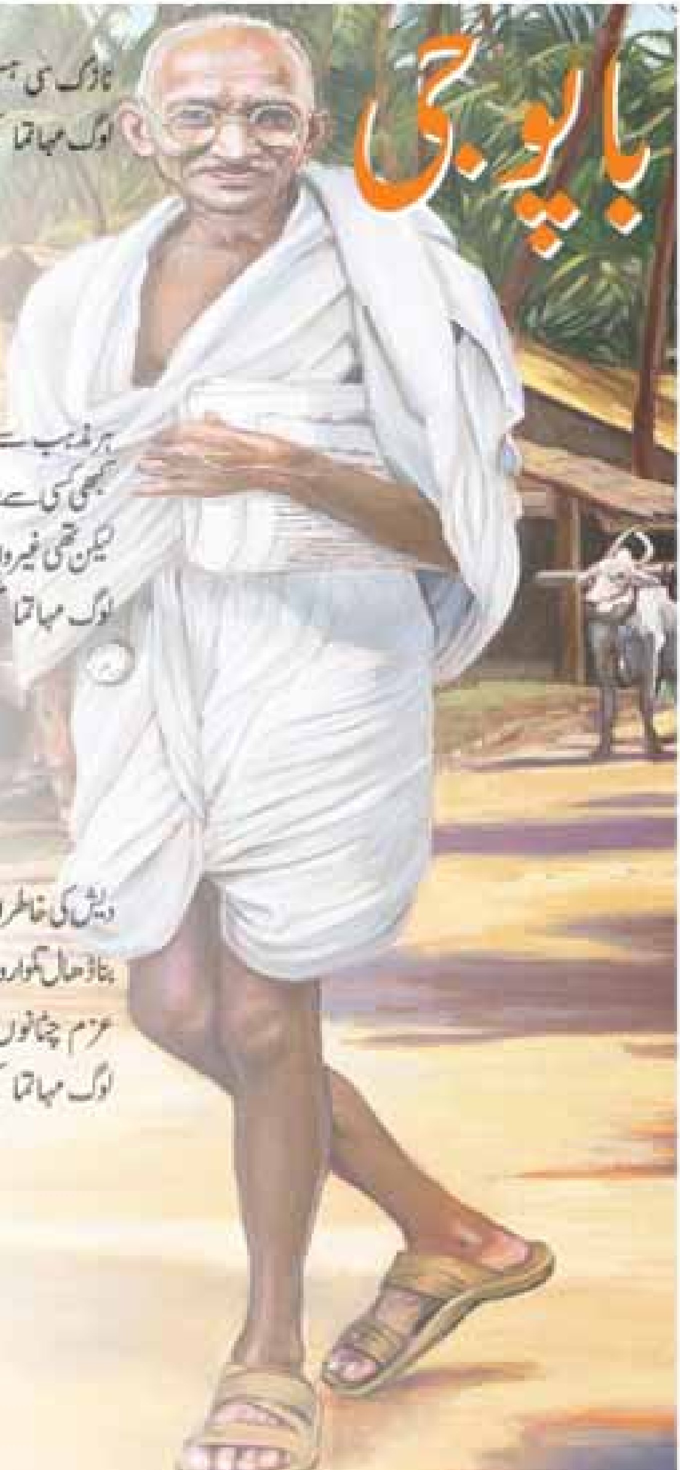

نازک سی ہستی باپو کی آزادی کی بانی تھی
لوگ مہاتما کہتے ان کو کیا ان کی قربانی تھی

موہن داس کرم چند گاندھی نام تھا بچو باپو کا
صرف وطن کی خاطر جینا کام تھا بچو باپو کا
اٹل ارادوں والے تھے وہ ہمت کی جولانی تھی
لوگ مہاتما کہتے ان کو کیا ان کی قربانی تھی

ہر مذہب سے پیار تھا ان کو اور من میں سچائی تھی
کبھی کسی سے بیر نہ رکھتے من میں سب کی بھلائی تھی
لیکن تھی غیروں کی حکومت کھلے عام من مانی تھی
لوگ مہاتما کہتے ان کو کیا ان کی قربانی تھی

امن کی لاٹھی ہاتھ میں تھامی دورِ غلامی دور کیا
ظلم و ستم کے ہر بادل کو چھٹنے پر مجبور کیا
انقلاب کے نعروں کی اٹھتی موجیں طوفانی تھی
لوگ مہاتما کہتے ان کو کیا ان کی قربانی تھی

دیش کی خاطر ان کے لمحے رہتے دم تک بیتے تھے
بنا ڈھال تلوار وہ جگ میں بن کے سپاہی جیتے تھے
عزم چٹانوں جیسا ان کا کایا ہندوستانی تھی
لوگ مہاتما کہتے ان کو کیا ان کی قربانی تھی

مسکاتی تصویر مہاتما جی کی نظر جب آتی ہے
سوچھ بھارت کرنے کی آواز ہمیں اکساتی ہے
بات صفائی کی اے دلؔ یہ ہر جانب پہنچانی تھی
لوگ مہاتما کہتے ان کو کیا ان کی قربانی تھی

■

Abdur Razzaq Dil
Kholopur - 444802
Distt.: Amrawati (Maharashtra)

عبیر الٰہی

ہندوستان کے صدر جمہوریہ

رام ناتھ کووند نے 25 جولائی 2017 کو ہندوستان کے 14 ویں صدر کا حلف اٹھایا۔ انھوں نے میرا کمار کو 367314 ووٹوں کے مقابلے 702044 ووٹ لے کر کامیابی حاصل کی۔ مرکزی حکومت کے حمایت یافتہ رام ناتھ کووند کو 65.65 فیصد ووٹ ملے جبکہ اپوزیشن کی امیدوار میرا کمار کے حق میں 34.35 فیصد ووٹ ڈالے گئے۔

صدر جمہوریہ ہند کو لوک سبھا، راجیہ سبھا کے ممبران کے علاوہ ریاستی اسمبلیوں کے ممبر منتخب کرتے ہیں۔ پارلیمنٹ کے ارکان کے ووٹ کی قیمت برابر ہوتی ہے مگر الگ الگ اسمبلیوں کے ممبران کے ووٹ کی قیمت الگ الگ ہوتی ہے۔ ممبر پارلیمنٹ کے ایک ووٹ کی قیمت 708 ہے جبکہ اترپردیش کے ممبر اسمبلی کے ووٹ کی قیمت سب سے زیادہ یعنی 208 ہے۔ سکم کے ممبر اسمبلی کے ووٹ کی قیمت سب سے کم یعنی صرف سات ہے۔

یکم اکتوبر 1945 کو کانپور دیہات میں پیدا ہوئے رام ناتھ کووند صدر کا الیکشن جیتنے سے قبل بہار کے گورنر تھے۔ وہ 2015 میں گورنر بنائے گئے تھے اور 2017 تک اس عہدے پر فائز رہے۔ 1994 اور 2006 کے درمیان رام ناتھ کووند اترپردیش سے راجیہ سبھا کے لیے ممبر رہے تھے۔

سیاست میں آنے سے قبل رام ناتھ کووند 16 سال تک دہلی ہائی کورٹ اور سپریم کورٹ میں وکیل رہے۔ انھوں نے 1993 میں وکالت کو خیرباد کہہ دیا تھا۔

ہندوستان کے پہلے صدر راجندر پرساد تھے، جن کا تعلق بہار سے تھا وہ 26 جنوری 1950 کو صدر بنے تھے اور 12 مئی 1962 تک صدر رہے تھے۔ پہلی مرتبہ وہ کوئی الیکشن کے بغیر صدر بنائے گئے تھے جبکہ 1952 اور 1957 میں انھوں نے الیکشن جیت کر یہ عہدہ حاصل کیا تھا۔ ان سے زیادہ عرصے تک کوئی اور شخص صدارت کے عہدہ پر فائز نہیں رہا۔

سروے پلی رادھا کرشنن ہندوستان کے دوسرے صدر تھے وہ 13 مئی 1962 کو صدر بنے تھے اور 13 مئی 1967 تک اس عہدے پر فائز رہے تھے۔

ڈاکٹر ذاکر حسین ہندوستان کے تیسرے صدر تھے۔ وہ 13 مئی 1967 کو صدر کے لیے منتخب کیے گئے تھے اور 3 مئی 1969 تک اس عہدے پر فائز رہے تھے۔ وہ ہندوستان کے

ہندوستان کے صدور کا ایک مختصر جائزہ

نمبر	نام	وقفہ
1	راجندر پرساد	26 جنوری 1950 سے 12 مئی 1962 تک
2	سروے پلی رادھا کرشنن	13 مئی 1962 سے 13 مئی 1967 تک
3	ذاکر حسین	13 مئی 1967 سے 3 مئی 1969 تک
4	وی۔وی گری	24 اگست 1969 سے 24 اگست 1974 تک
5	فخرالدین علی احمد	24 اگست 1974 سے 11 فروری 1977 تک
6	نیلم سنجیوا ریڈی	25 جولائی 1977 سے 25 جولائی 1982 تک
7	گیانی ذیل سنگھ	25 جولائی 1982 سے 25 جولائی 1987 تک
8	راما سوامی وینکٹ رمن	25 جولائی 1987 سے 25 جولائی 1992 تک
9	شنکر دیال شرما	25 جولائی 1992 سے 25 جولائی 2997 تک
10	کوچیرل رمن نارائن	25 جولائی 1997 سے 25 جولائی 2002 تک
11	اول پاکر زین العابدین عبد الکلام	25 جولائی 2002 سے 25 جولائی 2007 تک
12	پرتبھا پاٹل	25 جولائی 2007 سے 25 جولائی 2012 تک
13	پرنب مکھرجی	25 جولائی 2012 سے 25 جولائی 2017 تک
14	رام ناتھ کووند	25 جولائی 2017 سے اب تک

** وراہگری وینکٹ گری 3 مئی سے 20 جولائی 1969 تک کارگزار صدر رہے۔
** محمد ہدایت اللہ 20 جولائی سے 24 اگست 1969 تک کارگزار صدر رہے۔
** باسپا داناپا جتی 11 فروری سے 25 جولائی 1977 تک کارگزار صدر رہے۔

صدر رہتے ہوئے انتقال کرنے والے پہلے صدر تھے۔ ان کے انتقال کے بعد وراہگری وینکٹ گیری کو کچھ عرصہ کے لیے یعنی 3 مئی 1969 سے 20 جولائی 1969 تک کارگزار صدر رہے۔ وہ ذاکر حسین کے زمانے میں نائب صدر تھے جب انھیں صدارتی امیدوار بنایا گیا تھا انھوں نے کارگزار صدر کے عہدے سے استعفیٰ دے دیا تھا اور ان کی جگہ محمد ہدایت اللہ 20 جولائی 1969 سے 24 اگست 1969 تک کارگزار صدر بنائے گئے تھے۔

وراہاگری وینکٹ گری جنکو وی۔ وی گری کے نام سے زیادہ پکارا جاتا تھا 24 اگست 1969 کو ہندوستان کے چوتھے صدر بنے۔ وہ 24 اگست 1974 تک اس عہدے پر فائز رہے۔ وہ ایک واحد صدر ہیں جو کارگزار صدر بھی رہے۔

فخرالدین علی احمد پانچویں صدر تھے۔ وہ 24 اگست 1974 سے 11 فروری 1977 تک صدر رہے۔ 11 فروری

1977 کو انتقال کر گئے۔ وہ ہندوستان کے صدر رہتے ہوئے انتقال کرنے والے دوسرے صدر تھے۔ اس کے بعد باسپا داپا جتی ہندوستان کے تیسرے کارگزار صدر بنے وہ 25 جولائی 1977 تک اس منصب پر فائز رہے۔ وہ فخرالدین علی احمد کے زمانے میں نائب صدر بنے اور ان کے اچانک انتقال کے بعد کارگزار صدر بنے تھے۔

نیلم سنجیوا ریڈی 25 جولائی 1977 کو ہندوستان کے چھٹے صدر بنے تھے۔ وہ 25 جولائی 1982 تک اس عہدے پر فائز رہے۔ ان کے بعد گیانی ذیل سنگھ ہندوستان کے ساتویں صدر بنے۔ وہ 25 جولائی 1982 سے 25 جولائی 1987 تک صدر رہے۔

گیانی ذیل سنگھ کے بعد راما سوامی وینکٹ رمن ہندوستان کے صدر بنے۔ وہ ہندوستان کے آٹھویں صدر تھے۔ انھوں نے 25 جولائی 1987 کو یہ عہدہ سنبھالا تھا اور 25 جولائی 1992 تک صدر کے عہدے پر فائز رہے تھے۔

شنکر دیال شرما نے 25 جولائی 1992 کو صدارت کا حلف لیا تھا اور وہ ہندوسان کے نویں صدر تھے۔ وہ 25 جولائی 1997 تک اس عہدے پر فائز رہے۔

ہندوستان کے پہلے دلت صدر کا تعلق کیرل سے تھا۔ کے۔ آر۔ نارائنن نے 25 جولائی 1997 کو ہندوستان کے دسویں صدر ہونے کا حلف اٹھایا تھا اور وہ 25 جولائی 2002 تک ہندوستان کے صدر کے عہدے پر فائز تھے۔

ابوالفاخر زین العابدین عبدالکلام ہندوستان کے گیارہویں صدر تھے۔ وہ ہندوستان کے پہلے غیر سیاسی صدر بھی تھے۔ وہ ایک سائنس داں تھے جن کو اے پی جے عبدالکلام کے نام سے زیادہ پکارا جاتا تھا۔ وہ 25 جولائی 2002 کو صدر بنے تھے اور 25 جولائی 2007 تک صدر رہے تھے۔

ابھی تک جو چودہ صدر بنے ہیں اس میں صرف ایک خاتون صدر بنی ہیں۔

پرتبھا پاٹل نے 25 جولائی 2007 کو 12ویں صدر ہونے کا حلف اٹھایا تھا اور 25 جولائی 2012 تک وہ صدر رہی تھیں۔

رام ناتھ کووند سے قبل ہندوستان کے صدر پرنب مکھرجی تھے۔ وہ 25 جولائی 2012 کو ہندوستان کے 13ویں صدر بنے تھے اور 25 جولائی 2017 تک اس عہدے پر فائز رہے تھے۔

ابھی تک جو 14 صدر بنے ہیں ان میں سابق صدور میں صرف دو باحیات ہیں۔ پرتبھا پاٹل اور پرنب مکھرجی ہیں۔

رام ناتھ کووند جن کی عمر اس وقت 71 سال ہے وہ دوسرے دلت صدر ہیں۔ وہ پانچ بھائیوں اور دو بہنوں میں سب سے چھوٹے ہیں۔ ابھی تک جتنے بھی صدر ہوئے ہیں وہ آزادی سے قبل پیدا ہوئے تھے۔

■

Abeer Ilahi
1407 Qsim Jan Street
Ballimaran, Delhi - 110006

فاطمہ پروین

سونامی (Tsunami) کیسے پیدا ہوتی ہے؟

پچھلے سات سالوں میں براعظم ایشیا پر دو مرتبہ سونامی (Tsunami) کا قہر ٹوٹا ہے جس میں لاکھوں افراد جاں بحق ہوئے اور اربوں کی جائیداد تباہ ہوگئی۔ آخر یہ سونامی(Tsunami) ہے کیا؟ سونامی(Tsunami) جاپانی زبان کے دو الفاظ سے مل کر بنا ہے۔ 'Tsu' کا مطلب ہے بندرگاہ اور 'nami' کے معنی ہیں لہر۔ اگر سمندر میں کوئی ہلچل ہو تو بڑی بڑی لہریں پیدا ہوتی ہیں۔ انھیں دیوقامت لہروں کو سونامی(Tsunami) کہتے ہیں۔ ان لہروں کی اونچائی تیس میٹر (90 فٹ) تک ہوتی ہے۔ ان کی رفتار بھی بہت تیز ہوتی ہے اور یہ کسی طوفان کی طرح سمندر کے کناروں کو توڑتی ہوئی خشکی میں گھس آتی ہے۔

سونامی کی لہروں کی مندرجہ ذیل وجوہات ہیں:

1۔ آتش فشاں پہاڑ کا پھٹنا۔

2۔ زلزلہ

3۔ پانی کے اوپر یا نیچے کوئی ایسی حرکت جس سے لہریں پیدا ہوں۔

4۔ سمندر میں جوہری دھماکہ کرنا

جب بھی سطح سمندر میں کوئی بڑی حرکت ہوتی ہے، مثلاً سطح سمندر کے نیچے زمین کے پلیٹوں کے کھسکنے یا بڑی بڑی چٹانوں کے گرنے سے اس قدر توانائی پیدا ہوتی ہے کہ چند سیکنڈ بعد ہی وہ بڑی بڑی تیز رفتار لہروں میں بدل جاتی ہے اور ان لہروں کے راستے میں جو چیز بھی آتی ہے اسے یہ غرق کرتی ہوئی چلی جاتی ہے۔ جاپان میں آئی سونامی کی تصاویر آپ نے ٹی وی پر ضرور دیکھی ہوں گی۔ ان کی طاقت کا آپ اس سے اندازہ لگا سکتے ہیں کہ یہ کئی ہزار کلومیٹر کا سفر کچھ ہی دیر میں پورا کرلیتی ہیں۔ کئی مرتبہ ان لہروں کی رفتار پانچ سو کلومیٹر فی گھنٹہ ہوتی ہے۔ جب یہ زمین پر پہنچتی ہیں تو ان سے دوڑتی ہوئی ٹرین کی آواز نکلتی ہے۔ اگر یہ گہرے سمندر میں پیدا ہوں تو ان کی اونچائی زیادہ نہیں ہوتی لیکن کم گہرے پانی میں ان کی اونچائی زیادہ ہوتی ہے۔ یہ اس قدر تیزی سے علاقے میں پھیل جاتی ہیں کہ کئی مرتبہ سو کلومیٹر کے خطے میں تباہی کا سبب بنتی ہیں

کہ اگر سمندر سے نزدیکی علاقے میں زلزلہ آجائے تو اس کے اثر سے سمندر میں زبردست ہلچل پیدا ہوجاتی ہے اور سونامی کی لہریں بن کر مزید تباہی کا سبب بنتی ہیں۔ حالانکہ جاپان نے سونامی سے بچاؤ کے لیے گھنی آبادی والے ساحلی سمندر پر ساڑھے چار میٹر اونچی مضبوط دیوار بنا رکھی ہے لیکن حال ہی میں آنے والی سونامی میں وہ بھی ناکام ثابت ہوئی۔ دیوار کے علاوہ سمندر میں فولاد کے بنے ہوئے بڑے بڑے دروازے بھی تعمیر کیے جاتے ہیں لیکن جب سونامی قیامت برپا کرتی ہے تو یہ دروازے بھی اسے روک نہیں سکتے۔ ماہرین نے ساحلی سمندر پر درختوں کی قطار لگانے کا مشورہ دیا ہے کیونکہ درخت سونامی کی شدت کو کم کردیتے ہیں۔ 2004 میں بحر ہند میں آئی تباہ کن سونامی کے بعد ان تمام ساحلوں پر وارننگ سسٹم نصب کیا گیا جہاں سونامی آنے کا خطرہ تھا۔ اس کے علاوہ سمندروں اور ساحلوں کے قریب زمین کے اندر ہونے والی اتھل پتھل کے ریکارڈ کو دیکھ کر ماہرین اس بات کا پتہ لگا سکتے ہیں کہ کتنی دیر میں وہاں سونامی کی لہریں پیدا ہوں گی اور وہ کب تک ساحل تک پہنچ جائیں گی۔

کئی مرتبہ سمندروں کی گہرائی میں سونامی کی لہروں کی رفتار 600 میل فی گھنٹہ ہوتی ہے لیکن ساحل تک پہنچتے پہنچتے رفتار گھٹ کر چھ سو یا سات سو میل فی گھنٹہ رہ جاتی ہے۔ یہ سو کلومیٹر تک پھیلی ہوتی ہیں۔ سونامی ایک سمندر پار کرکے دوسرے سمندر میں داخل ہوسکتی ہے۔ یہ دریاؤں میں بھی داخل ہوجاتی ہے اس کی رفتار اس قدر تیز ہوتی ہے کہ انسان دوڑ کر اپنی جان نہیں بچا سکتا ہے۔

انسانی تاریخ میں بہت بڑی بڑی خوفناک اور تباہ کن سونامیاں بھی آئی ہیں جنہیں اِمی نامی (Iminami) کہا جاتا ہے۔ ان کی اونچائی سو میٹر ہوتی ہے اور وہ اس قدر طاقتور ہوتی ہیں کہ زمین کی جغرافیائی شکل کو بھی بدل ڈالتی ہیں۔ ابھی تک سب سے بڑی سونامی کا پتہ 1755 سے چلتا ہے۔ بحر متوسط میں 1755 میں جو سونامی آئی اس سے پرتگال، مراقش اور برطانیہ میں زبردست تباہی مچائی اور ایک لاکھ افراد لقمۂ اجل بنے۔

1908 میں سونامی نے اٹلی کے ساحلوں کو تہس نہس کرڈالا اور منٹوں میں ستر ہزار سے زیادہ افراد مارے گئے۔

سب سے زیادہ تباہ کن سونامی دسمبر 2004 میں بحر ہند سے اٹھی اور چند منٹوں کے دوران گیارہ ممالک کے ساحلوں کو روندتی ہوئی چلی گئی۔ یہ سونامی بحر ہند کے نیچے آئے ایک شدید زلزلے سے پیدا ہوئی تھی۔ ریکٹر پیمانے پر اس کی شدت 9 تھی اور اس سے جو توانائی خارج ہوئی اس کی قوت 23000 ایٹم بموں کے برابر تھی۔ اس سونامی نے شمالی افریقہ سے تھائی لینڈ کے ساحلوں تک زبردست تباہی مچائی اور 2,83000 افراد لقمۂ اجل بنے۔ اس سونامی کی شدت سے کئی جزائر یا تو مکمل غرقاب ہوگئے یا ان کا کچھ حصہ زیر آب ہوگیا۔ جنوبی ہند میں تمل ناڈو کے قریب زمین کا نیا حصہ ساحل سے باہر آگیا۔

اس کے بعد مارچ 2011 میں جاپان میں آنے والی سونامی نے اس قدر تباہی مچائی ہے کہ انسان اپنی تمام تر ترقیوں کے باوجود قدرت کے قہر کے سامنے مجبور نظر آتا ہے۔ اس سونامی میں دس ہزار سے زیادہ افراد جاں بحق ہوئے اور اربوں روپے کا نقصان الگ ہوا۔ جاپان اور امریکہ کے جزائر ہوائی ایسے علاقے میں واقع ہیں جہاں سب سے زیادہ سونامی آتی ہے۔

■

Nazima Parveen
2793, Bhojla Pahari, Jama Masjid
Delhi - 110006

مہدی پرتاپ گڈھی

کھالے کبوتر دانہ

"کھالے کبوتر دانہ
پی لے کبوتر پانی"
آج ذرا تاخیر ہوگئی
خفا بہت ہیں نانی
نانی کو مناؤں گا
ان کے پیر دباؤں گا
نانی ہیں کتنی اچھی
پیار کی مورت ہی جیسی
گُر کی بات بتاتی ہیں
خوب مجھے سمجھاتی ہیں
اپنے بڑوں کی عزت کرنا

انھوں نے مجھے سکھایا
چھوٹوں پہ شفقت کرنا
خوب مجھے سمجھایا
کل شب ایک کہانی
سنا رہی تھیں نانی
ایک ندی میں رہتا تھا
ہنسوں کا اک جوڑا
ان کا اک ہم سایا تھا
ننھا منا سا کچھوا
سب مل جل کر رہتے تھے
دکھ سکھ مل کر سہتے تھے

ایک سال بارش نہ ہوئی
خشک ہوگئی ساری ندی
تینوں نے مشورہ کیا
ہجرت کا فیصلہ کیا
لکڑی اک مضبوط سی لی
بیچ سے کچھوے نے پکڑی
دونوں سروں کو لکڑی کے
پنجوں میں دبایا ہنسوں نے
اُڑنے سے پہلے یہ کہا
کچھوے بھائی چپ رہنا
بھری اڑان پھر ہنسوں نے

دل بہلایا باتوں سے
کچھوا بھی محظوظ ہوا
لیکن وہ خاموش رہا
سن سن مگر لطیفے کو
بھول گیا وہ وعدے کو
چھوٹ گئی منھ سے لکڑی
سانس بھی فوراً ٹوٹ گئی
گرا زمین پہ بیچارا
ہڈی پسلی تڑوا دیا
ایک ذرا سی نادانی
کچھوے نے جب کر ڈالی

چھوٹ گیا ہنسوں کا ساتھ
جان سے اُس نے دھویا ہاتھ
بات نہ اپنوں کی مانی
لے ڈوبی یہ نادانی
سبق یہی سیکھا میں نے
مشورے لینا اپنوں سے
حکم بڑوں کا مانوں گا
ان کو نہیں ستاؤں گا
کھالے کبوتر دانہ
پی لے کبوتر پانی
تاکہ خوش ہوجائے؟

مجھ سے میری نانی
وعدہ کرتا ہوں میں بھی
اب سے دیر نہیں ہوگی
وقت پہ دوں گا دانہ
وقت پہ دوں گا پانی
کھالے کبوتر دانہ
پی لے کبوتر پانی

■

Mehdi Partapgarhi
28, School Ward
Partapgarh - 230001(UP)

ضیاء الرحمن جعفری

شیر کی باتیں سن کر

شیر نے اک اعلان کرایا
بندر، بھالو، گیدڑ آیا
کہا شیر نے سن لو بھائی
ہم نے اب ہے قسم یہ کھائی
نہیں کروں گا مارا ماری
بن جاؤں گا شاکاہاری
جنگل میں سب سکھ سے رہیں گے
قتل و غارت اب نہ کریں گے
کوا چیل یا بلی چیتا
جو مل جائے خون کو پیتا
جنگل سے دربدر وہ ہوگا
سوچو پھر کہ کدھر وہ ہوگا
نہیں درست ہے خون بہانا
بے جا ہے یوں بھوک مٹانا
بیٹھا تھا اک وہیں کبوتر
کہا شیر کی باتیں سن کر
سچ سچ جو تو سب کا سگا ہے
دانت میں پھر کیوں گوشت لگا ہے

■

Zeaur Rahman Jafri
High School Mafi +2, Via- Asthawan,
Dt : Nalanda - 803107 (Bihar)

معراج احمد معراج

چیونٹی

چیونٹی کو کمزور نہ جان
اس کی طاقت کو پہچان
اس میں ہمت ہوتی ہے
بھاری بوجھ بھی ڈھوتی ہے
جو بھی اس کی راہ میں آئے
اس کو کاٹے اور رلائے
کھینچے جنسِ قند اسے
میٹھی چیز پسند اسے
چیونٹیوں کا تن رائی ہے
ان میں بہت یکتائی ہے
دشمن سے نہیں ڈرتی ہیں
مل کر حملہ کرتی ہیں
ان کی بھی کئی قسمیں ہیں
ان کی بھی کئی نسلیں ہیں
لال بھی ہیں اور کالی بھی
کچھ تو اڑنے والی بھی
یوں تو ان کی عمر ہے کم
جہد و عمل لیکن ہر دم
چیونٹی دیتی ہے پیغام
جیون کا مطلب ہے کام

■

Meraj Ahmad Meraj
At Nichagram
Po.: Kulti - 713343 (West Bengal)

سید نوشاد بیگم محمود

سادہ رہن سہن، اونچی سوچ

انسان کے لباس سے اُس کا برتاؤ، سوچ کا معیار، ذہانت اور کارکردگی کی قیاس آرائی نہیں کی جاسکتی۔ بہت عام سی طرزِ زندگی اور رہن سہن والا انسان بھی اونچی سوچ اور دولت کا مالک ہوسکتا ہے۔ یہ بات ہمیں کبھی فراموش نہیں کرنی چاہیے۔ انسان کی عظمت، اُس کے علم اور عمل سے معین ہوتی ہے۔ طاقت اور سوچ کا انسان باصلاحیت اور باکمال ہوتا ہے اور یہ صلاحیت اُس کے ذریعے انجام دیے گئے ٹھوس کاموں سے ظاہر ہوتی ہے۔ لباس سے نہیں۔

اس کا کردار ہی خود وجہِ کشش ہوتا ہے
اور خوبی نہ سہی صاحبِ کردار کے پاس

اپنے لاڈلے بیٹے کے انتقال سے دکھی اور غم زدہ والدین اُس کی یونیورسٹی میں جاکر وائس چانسلر سے ملاقات کرتے ہیں اور ان کے جامعہ کے گردو پیش میں اپنے پیارے بیٹے کی یادگار بنانے کی خواہش کا اظہار کرتے ہیں۔ اس بات پر وائس چانسلر کا جواب سن کر انھیں دلی صدمہ ہوتا ہے۔ محترمہ! ہاورڈ یونیورسٹی میں داخل ہوکر بعد ازاں انتقال کرگئے ہر انسان کا اگر ہم مجسمہ کھڑا کریں تو ہماری یونیورسٹی کا مقام ایک قبرستان ہی بن جائے گا۔

فوراً اس لڑکے کی والدہ نے کہا۔نہیں، نہیں، ہمارے بیٹے کا مجسمہ بنانے کی بالکل خواہش نہیں ہے۔ ہاورڈ یونیورسٹی کے لیے ایک عالیشان عمارت تعمیر کرنے کی ہماری خواہش ہے۔

سٹینفورڈ یونیورسٹی کی تعمیر...

وائس چانسلر اپنے بھنوؤں کو اونچی کرتے ہوئے اس جوڑی کے پہنے ہوئے سوتی اور سادہ لباس کی جانب تعجب سے دیکھ کر کہتے ہیں۔ اوہ! عمارت!!

''عمارت کی کیا قیمت ہوگی اس کا ہلکا سا بھی تصور ہے کیا آپ کو؟ ہاورڈ کی عمارت کی قیمت 75 لاکھ ڈالر سے زیادہ ہوگی

سمجھے آپ؟

اُس لڑکے کی ماں متعجب ہوگئی۔ وائس چانسلر کو لگا۔ چلو اب اس غریب جوڑی سے مجھے نجات مل جائے گی۔ اس کے بعد اس لڑکے کی ماں نے اپنی نظریں شوہر کی جانب گھمائیں اور بولی۔ اجی! عمارت کی قیمت اتنی کم ہوگی تو ہم خود کی یونیورسٹی ہی تعمیر کروا لیتے ہیں نا؟ اس کے شوہر نے اقرار میں گردن ہلائی۔

—بیرونی روپ یعنی کہ صحیح معنوں میں شخصیت نہیں ہوتی—

وائس چانسلر کا چہرہ بوکھلاہٹ سے مرجھا سا گیا تھا۔ وہ جوڑی یعنی کہ مسٹر اور مسز لیلینڈ سٹینڈ فورڈ۔ چند مہینوں میں ہی اُنھوں نے کیلی فورنیا کے پالو آلٹو میں ایک یونیورسٹی قائم کی اور اس کو نام دیا سٹینڈ فورڈ یونیورسٹی، ایسا کر کے انھوں نے اپنے بیٹے کو امر کر دیا۔

ہاورڈ یونیورسٹی نے لیکن اس ایک بڑے موقع کو ہاتھ سے گنوا دیا۔ بیشتر اوقات ہم انسان کی شناخت اُس کے لباس چہرے یعنی اس کے ظاہری روپ سے کرتے ہیں اور بالکل یہی باتیں ہمیں شش و پنج میں ڈال دیتی ہیں۔ انھیں باتوں سے ہم دیگر انسانوں سے بُرا برتاؤ کرتے ہیں اور انھیں حقیر جانتے ہیں۔ اس طرح ہم ہمارے بہترین دوست، خیر خواہ، گاہک اور کامگاروں کو کھو دیتے ہیں۔

انسانی طرزِ لباس سے اُس کا برتاؤ، سوچ کا معیار، ذہانت اور کارکردگی کی قیاس آرائی نہیں کی جا سکتی۔ بہت عام سے رہن سہن اور لباس والا انسان بھی اونچی سوچ اور دولت کا مالک ہو سکتا ہے۔ یہ بات کبھی فراموش نہیں کرنی چاہیے:

کچھ تو انسانیت کا بھرم چاہیے
تم بھی انسان ہو ہم بھی انسان ہیں

■

Syed Naushad Begum Mahmood
Sri Darshan Apartment B/203 Shastri Nagar
Mumbai Puna Road, Kalwa - 400605
Distt.: thana (Maharashtra)

عطیہ بی

امیدوں کا شجر

پانچ کے دو پانچ کے دو لے لو پانچ کے دو کی صدائیں اسکول کے پرسکون ماحول میں ہلچل پیدا کر رہی تھیں۔ آؤ بابو لے لو اس سے سستا اور کہیں نہیں ملے گا۔

ایک معصوم سی آواز لوگوں کو اپنی جانب متوجہ کر رہی تھی۔

کیا سچ میں تم پانچ کے دو قلم دے رہے ہو۔ اس صدا کو سنتے ہی ایک لڑکے نے لپک کر پوچھا، اس مہنگائی کے زمانے میں اس سے سستا اور کہیں نہیں ملے گا بابو۔

اچھا! اچھا! دے دو قلم مجھے بھی یہ کہتے ہوئے اس نے دو قلم لے لیے مگر یہ کیا یہ قلم اس نے جس شخص کے ہاتھوں سے دستیاب کیے وہ اور کوئی نہیں ایک 7 سال کا لڑکا کامل تھا۔ جو کچھ روز قبل اس عالیشان اسکول کے ذہین بچوں میں شمار کیا جاتا تھا۔ لیکن آج اس کی شکل پہچان پانا مشکل تھا۔ ارے کامل تم! یہاں کیا کر رہے ہو پڑھنے نہیں جا رہے ہو آج کل۔

”نہیں بھائی مجھے اب نہیں پڑھنا میں یہیں ٹھیک ہوں۔“ کامل نے ندامت سے اپنا سر جھکا لیا۔ اور اس کی آواز میں معصوم سا درد جھلک پڑا۔

اچھا کوئی بات نہیں —— یہ کہتے ہوئے وہ لڑکا قلم لے کر روانہ ہوا اور کامل اپنی چھوٹی سی دکان جسے اس نے ایک سایہ دار درخت کے آغوش میں لگا رکھی تھی۔ اس دکان کے سامان کو بے وجہ گننے لگا۔ چونکہ اسکول کی چھٹی ہو چکی تھی۔ لہٰذا سبھی بچے اپنے اپنے گھروں کا رخ کر چکے تھے۔ مگر کامل کہاں جاتا اس کا آشیانہ تو وہ سایہ دار درخت ہی تھا۔ جو والدین کی طرح اس کی کفالت کرتا تھا۔ کبھی ماں کی طرح اپنی شاخوں میں موجود ثمر (بیر) سے اس کا پیٹ بھرتا۔ تو کبھی رات کو والد کی طرح اپنی آغوش میں لے کر سو جاتا۔ کامل اس کی آغوش میں سو کر خود کو بہت محفوظ محسوس کرتا۔

رات بھر کامل اپنے محسن سے لپٹا رہا۔ جب سے اس کی والدین نے اس دنیا سے کوچ کیا تھا تب سے اس کا ہمسفر یہ درخت ہی تھا۔

صبح کی روپہلی کرنیں جیسے ہی اس درخت پر پڑی چاروں

طرف اجالا ہی اجالا چھا گیا۔ درخت کی ٹہنیاں کامل کے چہرے پر یوں لگی تھیں مانوں ماں اپنے جگر کے ٹکڑے کا سر سہرا کر اٹھا رہی ہو۔

اٹھو کامل اٹھو بیٹا...... اب اٹھ بھی جاؤ صبح ہو گئی۔ ہاں ماں اٹھتا ہوں کہہ کر کامل چونک پڑا۔ مگر یہ کیا وہاں ماں کے ممتا بھرے ہاتھ نہ تھے۔ بلکہ اس بیر کے درخت کی ٹہنیاں شفقت و محبت سے کامل کا سر سہلا رہی تھیں۔ اور کامل کی چنچل ہوئی نگاہوں میں افسردگی کی لہر دوڑ گئی۔ وہ آنکھ ملتے ہوئے اٹھا۔ کامل خود کو سنبھالتے ہوئے بولا چلو بھائی ہاتھ منہ دھو لیتا ہوں اب تو اسکول کھلنے کا وقت ہو گیا ہے۔ سب آنے والے ہوں گے یہ کہتے ہوئے کامل ایک جھٹکے سے کھڑا ہو گیا۔ صبح کے کاموں سے فراغت کے بعد وہ جب اپنے پھٹے ہوئے دامن سے منہ پوچھ رہا تھا تو اس کے قدم اسکول کے اس عالیشان گیٹ کی جانب گامزن ہوئے اور وہ اس جالی دار گیٹ کو پکڑ کر کچھ اس طرح کھڑا ہوا کہ مٹی کی مورت بن گیا۔ اس کی آنکھوں کا درد کوزے میں سمندر کی مانند چھلک رہا تھا۔ دیکھتے ہی دیکھتے وہ موتی بن کر کامل کے چہرے پر پھیل گیا۔ کامل نے بڑی خوبصورتی اور سمجھداری سے اپنے پھٹے دامن سے اس کو پوچھ ڈالا اور اپنے محسن درخت کی جانب رخ کیا۔

دیکھا تم نے! آج بھی کوئی نہیں آیا، آج بھی کوئی مجھے اندر نہیں لے گیا دیکھ رہے ہو نہ تم؟ تم تو سب جانتے ہو، امی ابو کے بعد میرا کوئی نہیں ہے اس دنیا میں سوائے تمہارے۔ تم تو جانتے ہو نہ مجھے کتنا اچھا لگتا ہے پڑھائی کرنا مگر کوئی نہیں لے جاتا مجھے اس کے اندر اور وہ مایوس ہو کر پھر سے درخت سے لپٹ گیا۔ مگر ایک سمجھدار بچے کی طرح اس نے خود کو سنبھالا۔ چلو، چلو میں چلتا ہوں تم تو جانتے ہو مجھے کتنا کام کرنا ہے، ابھی بازار جا کر سامان بھی تو لانا ہے اب دوستی بعد میں نبھاؤں گا یہ کہتے ہوئے جیسے ہی کامل پیچھے مڑا سامنے ایک ضعیف انسان جس کی کمر آدھی جھکی ہوئی تھی، ہاتھ کانپ رہے تھے چہرے پر جھریاں ہی جھریاں نظر آتی تھی کامل کی جانب بڑھا کامل اسے دیکھ کر گھبرا گیا۔ ارے کون ہیں آپ؟ یہاں کیا کر رہے ہیں؟

میں اسکول کا پرانا چوکیدار ہوں بیٹا بہت کمزور ہو چکا ہوں اس لیے اندر ہی رہتا ہوں۔ شاید اسی لیے تم نے مجھے نہیں دیکھا کیا تم اسکول میں میرے ساتھ کام کرو گے۔ اب میں بوڑھا ہو گیا ہوں اسکول کا سب کام مجھ سے نہیں ہوتا کیا تم میری مدد کرو گے۔ کامل نے چچا میاں کی باتیں سن کر حسرت بھری نگاہوں سے اسکول کی جانب دیکھا اور بول اٹھا۔ جی ہاں کیوں نہیں کامل نے اسکول کا نام سنتے ہی جواب دینے میں کوتا ہی نہ کی۔ "تو پھر ٹھیک ہے تم میرے ساتھ چلو آج سے تم وہیں رہو گے میرے ساتھ"۔ کیا مجھے آپ کے ساتھ ہی رہنا ہوگا کامل نے تعجب سے پوچھا! ہاں بیٹا اب تم اس سڑک پر نہیں رہو گے اب تم میرے ساتھ رہو گے۔ آپ کی بات کی میں قدر کرتا ہوں چچا میاں مگر آپ سمجھ نہیں رہے ہیں میں کیسے جا سکتا ہوں اسے چھوڑ کے"۔ ضعیف انسان نے چاروں جانب سر گھما کر دیکھا اور پوچھا کسے؟ یہاں تو کوئی دکھائی ہی نہیں دے رہا ہے تم کس کی بات کر رہے ہو بیٹا۔ ارے اسے میرے دوست کو کامل نے درخت پر ہاتھ رکھتے ہوئے کہا۔ یہی تو میرا سب کچھ ہے اسے میں کیسے چھوڑ دوں۔ ضعیف انسان نے کامل کے سر پر ہاتھ رکھتے ہوئے کہا تم روز آ کر اسے مل لینا میں اسے چھوڑنے کے لیے تھوڑی کہہ رہا ہوں۔ چلو جلدی چلو اسکول میں شائد تمہاری پڑھائی کی بھی کوئی صورت نکل آئے۔ کامل پڑھائی کا نام سن کر چونک پڑا۔ اس کی برسوں کی تمنا شاید پوری

ہو جائے۔ اسی امید سے وہ اپنے دوست سے الوداع لے کر بزرگ کے ساتھ اسکول کی جانب چل پڑا۔ تم پریشان مت ہونا میں آتا رہوں گا تم سے ملنے کی صدائے دور تک جاتے ہوئے کامل کے منھ سے نکلی اور ماحول میں کھوتی چلی گئی۔

یوں ہی وقت گزرتا گیا اور کافی وقت تک کامل اپنے دوست سے ملنے نہ آسکا نہ جانے کتنے موسم گزرے اسکول کا دروازہ تو روز کھلتا مگر کامل کا کوئی نشاں دور دور تک نہ دکھتا۔ یکا یک ایک روز غیر معمولی طریقے سے اسکول کا دروازہ کھلا اور ایک زمانے بعد کامل کی صورت نظر آئی کامل اپنے دوست کے سامنے بے بس سا آکر کھڑا ہو گیا۔ اس کی آنکھوں میں آنسوں بھرے تھے۔ یہ کیا ہوا میرے دوست تمھیں یہ کیا ہوا میں نے ایسا تو کبھی نہ سوچا تھا تم کو کیا ہو گیا وہ اتنا تناور درخت جو اپنی خوبصورتی سے لوگوں کو اپنی طرف مائل کر لیتا تھا جس کے میٹھے پھل ہر راہ گیر کی بھوک مٹانے کو ہمیشہ حاضر رہتے تھے آج پوری طرح سوکھ چلا تھا۔ اس کی شاخیں چر چرا کر ٹوٹ رہی تھیں مانو اب اس میں زندگی کی کوئی آس ہی نہ بچی ہو۔ کامل سے اپنے دوست کی یہ حالت دیکھی نہ جا رہی تھی اور وہ اس سے لپٹ کر رونے لگا۔ یہ کیا ہوا میں تو چچا میاں کے ساتھ گیا تھا۔ ان کی طبیعت خراب ہونے کی وجہ سے اتنے دن آنہ سکا یہ کیا تم اتنے اداس ہوئے کہ خود کو ہی فنا کر دیا تم نے۔ اب میری زندگی میں کچھ نہیں رہا۔ نہ ہی میری پڑھائی ہو پائی اور نہ ہی میں تم کو بچا سکا۔ یا خدا اب میں کیا کروں تبھی کامل نے اپنے سر پر ایک شفقت بھرا ہاتھ محسوس کیا۔

کیا بات ہے بیٹا تم کیوں پریشان ہو کامل نے پلٹ کر دیکھا تو اس عالیشان اسکول کے پرنسپل صاحب کھڑے تھے۔ وہ انھیں دیکھ کر دنگ رہ گیا۔ سر آپ یہاں، ہاں بیٹے میں تو یہاں سے گزر رہا تھا خدا نے مجھے تمہاری سب باتیں سنوا دی جو تم اپنے دوست سے کر رہے تھے۔

جی سر دیکھیے نہ میرے دوست کو کیا ہو گیا یہ تو پوری طرح ختم ہو گیا ہے میری زندگی کا بس یہی تو سہارا تھا۔ اب میں کیا کروں گا اس کے بنا۔

بیٹا امید کا دامن کبھی نہیں چھوڑتے خدا کی ذات بہت بڑی ہے اپنے دوست کے لیے خدا سے دعا کرو۔ یہ کہتے ہوئے سر کامل کو لے کر اسکول میں داخل ہو گئے اور اسکول کے دروازے بند ہو گئے۔

کچھ دنوں کے بعد موسم کا رخ بدلا یہ موسم بہار کا موسم تھا۔ ایک بار پھر کچھ دنوں بعد موسم کا رخ بدلا یہ موسم بہار کا موسم تھا ایک بار پھر کامل اپنے دوست سے ملنے آیا آج اس کی حیرانی کی کوئی انتہا نہ تھی وہ سوکھا پیڑ جس پر زندگی کی کوئی علامت باقی نہ رہ گئی تھی۔ آج چھوٹی چھوٹی نازک کونپلوں سے اس کی شاخیں لدی ہوئی تھیں اور کامل کا انداز بھی کچھ جدا تھا۔ آج کامل کے جسم پر وہ پھٹے پرانے کپڑے نہ تھے بلکہ اسکول کی چمکدار یونیفارم خوب جچ رہی تھی۔ کامل کی نگاہ جیوں ہی اس شجر پر پڑی وہ یکا یک بول پڑا۔ ''یا خدا تیری شان سب سے اعلی آج مجھے اپنے دوست کو دیکھ کر یہ احساس ہوا کہ پریشانی چاہے کتنی بھی بڑی کیوں نہ ہو انسان کو امید کا دامن کبھی نہیں چھوڑنا چاہیے اور خدا کی ذات پر یقین رکھنا چاہیے اس کی ذات بہت بڑی ہے۔'' اور یہ کہتے ہوئے وہ اپنے دوست سے لپٹ گیا۔

■

Atiya Bee
194/32, L P Road,
Wazeer Ganj, Lucknow (UP)

اسلم جلودای

ہمت کی ہمالہ ام الخیر

رات کے کھانے کے بعد گھر کے لوگ بیٹھے خوش گپی کر رہے تھے۔ اچانک لطیفہ نے ایک سوال داغ دیا۔ ''ابو جان! یہ ام الخیر کون ہے؟ آج کل اخبار میں اس کا نام بار بار آ رہا ہے۔''

''ہوں.....'' ابو نے ایک لمبی سانس لی اور کہا ''ام الخیر ہمت کی ہمالہ ہے، وہ تم لوگوں کے لیے ایک بہترین نمونہ اور ایک روشن مثال ہے۔ کاش! آج کے بچے اس سے سبق لیں۔''

''ابو جان! ہم لوگ اتنا جانتے ہیں کہ اس نے ملک کا سب سے بڑا امتحان UPSC پاس کیا ہے اور وہ ایک آئی اے ایس افسر بن چکی ہے، ہم لوگوں کو اس کا فیملی بیک گراؤنڈ وغیرہ بتایئے نا....'' لطیفہ بڑے شوق سے بولی۔ ابو سنبھل کر بیٹھ گئے اور بولے، ''سنو دھیان سے سنو!''

''ام الخیر راجستھان کے پالی گاؤں میں ایک غریب گھرانے میں پیدا ہوئی۔ ابتداء ہی سے اس کی زندگی دکھ اور مصیبت سے بھری تھی۔ بچپن میں ہی اس کے ابو امی میں جھگڑا ہوا تو اس کے ابو دونوں کو چھوڑ کر دلی چلے گئے اور وہاں دوسری شادی کر کے رہنے لگے۔ اس کی ماں نے کسی طرح اس کو کچھ دنوں پالا پوسا، مگر وہ بیمار پڑ گئی اور کچھ دنوں بعد ذہنی طور پر معذور بھی ہوگئی۔ ام الخیر ایک دم اکیلی ہوگئی۔ اس کی دادی نے اسے سنبھالا اور اس کے باپ کو ڈانٹ ڈپٹ کر اسے بھی دلی لے جانے کے لیے راضی کرلیا۔

ام الخیر دلی میں اپنے ابو کے ساتھ ایک جھونپڑی میں رہنے لگی۔ اس کا نام پاس کے ایک اسکول میں لکھا دیا گیا۔ اس وقت اس کی عمر صرف پانچ سال تھی۔ یہاں اس کو اپنی سوتیلی ماں کے ظلم وستم برداشت کرنے پڑتے تھے۔ ام الخیر پڑھنا چاہتی تھی، لیکن اس کی ماں اس سے کام کرانا چاہتی تھی۔ اگر ام الخیر پڑھتی رہتی تو وہ بتی بجھا دیتی لیکن وہ کتاب لیے بیٹھی رہتی اور یاد کیے ہوئے سبق کو دہراتی رہتی۔

ام الخیر کے والد نظام الدین کے علاقے میں پٹری پر دکان لگاتے تھے۔ ایک دن پولس کا چھاپہ پڑا تو دکان ہاتھ سے

نکل گئی۔ وہ وہاں سے ترلوک پوری چلے آئے اور ایک کمرہ لے کر رہنے لگے۔ اس وقت وہ ساتویں کلاس میں تھی۔ جب وہ آٹھویں کلاس میں پہنچی تو اسے خبر ملی کہ اس کی حقیقی ماں اس دنیا سے رخصت ہوگئی۔ اس کے دل پر ایک گہری چوٹ لگی اور بہت روئی پھر خود ہی دل کو دلاسا دیا۔

ام الخیر نے اپنا خرچ نکالنے کے لیے ٹیوشن پڑھانا شروع کیا۔ وہ ایک ذہین طالبہ تھی، لہٰذا اس کو اسکول سے وظیفہ بھی ملنے لگا۔ گھر کی حالت کچھ بہتر ہوئی تو اس کی سوتیلی ماں نے اس کو پڑھائی چھوڑنے اور شادی کرنے کے لیے دباؤ ڈالنا شروع کردیا، بصورت دیگر اسے پھر سے راجستھان کے گاؤں پالی میں بھیجنے کی دھمکی دینے لگی۔ ام الخیر اپنے ارادے کی پکی تھی۔ اس نے وہیں پاس میں ایک کمرہ کرایہ پر لے کر الگ رہنا شروع کردیا اور بچوں کو ٹیوشن پڑھا کر اپنا خرچ نکالتی رہی۔ اس دوران اس کو ہڈی کی ایک خطرناک بیماری ہوگئی۔ معمولی چوٹ سے بھی اس کی ہڈی ٹوٹ جاتی۔ اس پر مصیبت کا پہاڑ ٹوٹ پڑا۔ اس کی ہڈیاں سترہ بار ٹوٹیں اور اس نے سترہ بار آپریشن کرایا، لیکن اس نے کبھی ہمت نہیں ہاری اور پوری تندہی سے پڑھائی جاری رکھی۔ ان تمام مصیبتوں کے باوجود اس نے میٹرک اور 12ویں کے امتحان میں شاندار کامیابی حاصل کی اور پورے اسکول میں اوّل رہی۔ اچھے نمبر کی وجہ سے اسے دلّی یونیورسٹی میں داخلہ مل گیا۔ اس نے وہاں سے اپلائیڈ سائیکولوجی میں بی اے کیا اور اس کے بعد جواہر لال یونیورسٹی سے انٹرنیشنل ریلیشن میں ایم۔اے۔ کیا۔ یہاں آنے کے بعد اس نے بستی چھوڑ دی اور یونیورسٹی کے ہاسٹل میں رہنے لگی۔ یہاں کا ماحول اسے بہت راس آیا۔ اس کے عزم و ارادے میں مزید پختگی آتی گئی۔ بچپن سے ہی اس نے افسر بننے کا جو خواب دیکھا تھا، اب وہ اسے پورا کرنے میں جٹ گئی اور ملک کے سب سے بڑے امتحان UPSC میں کامیابی حاصل کرنے کے لیے دن رات ایک کردیا۔

چونکہ ہڈیوں کی بیماری کی وجہ سے وہ خود معذور ہو چکی تھی اس لیے اس نے اس درمیان معذور بچوں کی فلاح کے لیے کام کرنا شروع کیا۔ اس کے کام اور اس کی سچی لگن کے پیش نظر اس کی خدمات کو سراہا گیا اور اسے کئی بار بیرون ملک بھی جانے کا اعزاز حاصل ہوا اور اسے کئی بڑے ایوارڈ سے نوازا گیا۔

2011 میں انڈیا اسلامک کلچرل سنٹر کے تحت منعقد ہونے والے ''سالانہ پرسنالٹی ڈیولپمنٹ ورکشاپ'' میں اس نے داخلہ لیا۔ چالیس دن کے اس ورکشاپ میں پورے 20 دنوں تک وہ سنتی اور سیکھتی رہی، لیکن ایک بار بھی وہ اسٹیج تک جانے کی ہمت نہیں جٹا پائی۔ ۲۱ویں دن جب استاد نے اسٹیج پر آکر بولنے کے لیے طلباء و طالبات کو دعوت دی تو اس نے

بڑی ہمت سے اپنا ہاتھ اُٹھا کر پوری طاقت سے لہرایا۔ استاد نے دوسروں کو چھوڑ کر اسے بولنے کی اجازت دی۔ ایک معذور لڑکی جب گرتے پڑتے اسٹیج پر پہنچی تو سارے طلبا و طالبات ہنسنے لگے۔ وہ پوری طرح نروس ہو کر پسینے سے شرابور ہو گئی۔ اس نے بے بسی سے استاد کی طرف دیکھا۔ شفیق استاد منور زماں نے اشارے سے اس کی ہمت بندھائی۔ اسے لگا جیسے اس میں کوئی غیبی طاقت آ گئی۔ اس نے بڑی جراءت اور بے باکی سے بولنا شروع کیا۔

''تم سب میرے کلاس فیلو ہو۔ مجھ پر ہنسو اور خوب ہنسو۔ میں چاہتی ہوں کہ ورکشاپ کے بقیہ دن بھی تم مجھ پر ہنسو، لیکن میں یہ نہیں چاہتی کہ میری زندگی کے بقیہ دنوں میں دنیا مجھ پر ہنسے۔''

اس کے بعد ام الخیر نے ایسی شاندار تقریر کی کہ سب کے منھ کھلے کے کھلے رہ گئے۔ اسلامک سنٹر والوں نے اس ہیرے کو پہچانا اور بقیہ 19 دنوں تک اس کی خصوصی نگہداشت کی۔

ام الخیر نے ہندی میڈیم سے تعلیم حاصل کی تھی، لہٰذا اس کی انگریزی کمزور تھی۔ اس کے پاس کوچنگ کے لیے پیسے بھی نہیں تھے۔ اس نے ذاتی محنت اور کوشش سے اپنی انگریزی سنواری۔ ورکشاپ کے خاتمے کے بعد ایک بڑا پروگرام منعقد ہوا۔ جس میں کئی مرکزی وزیر بھی آئے۔ ام الخیر نے ان کے سامنے انگریزی بھی نہایت شاندار تقریر کی۔ مرکزی وزیر ڈاکٹر فاروق عبداللہ اس سے بے حد متاثر ہوئے اور انھوں نے اسے انگریزی میں بریانی بنانے کی ترکیب بتانے کو کہا۔

ام الخیر نے انگریزی میں اس کا جو جواب دیا۔ وہ بڑا شاندار اور تاریخی جواب تھا۔ اس نے کہا'' سر میں جھگی جھونپڑی میں رہنے والی صرف دال روٹی بنانے کا طریقہ بتا سکتی ہوں، بریانی کا نہیں۔ یہ تو وہ بتائے گا، جس نے اسے کھایا ہو۔'' اس کا یہ ذہانت بھرا جواب سن کر ڈاکٹر فاروق عبداللہ لاجواب ہو گئے۔

UPSC سال 2017 کا جب نتیجہ سامنے آیا تو ملک کے اس سب سے بڑے اور اعلیٰ امتحان میں کامیاب ہونے والوں کی فہرست میں ام الخیر کا نام بھی چمک رہا تھا۔ کل ہند سطح پر اسے 420واں اور پچاس مسلم امیدواروں میں 17واں مقام حاصل ہوا تھا۔

UPSC کا رزلٹ دیکھ کر ام الخیر کی آنکھوں سے آنسو رواں ہو گئے۔ اس کی کامیابی کو دیکھنے کے لیے اس کی سگی ماں دنیا میں نہیں تھی۔ اس نے سب سے پہلے اپنے ممی پاپا کو فون کر کے اس کی خبر دی اور کہا ''اب آپ ہمارے ساتھ رہیں گے۔ ہماری کامیابی میں آپ کا بھی ہاتھ ہے۔''

اتنا کہہ کر ابو خاموش ہو گئے اور پھر بچوں کی طرف دیکھ کر سوال کیا۔ ''بتایئے اس کہانی سے ہمیں کیا سبق ملتا ہے؟''

''زندگی کتنی ہی مشکل ہو ہمت نہیں ہارنی چاہیے، کامیابی مل کر رہتی ہے۔''

کچھ لمحہ سوچ کر ظلیفہ نے مضبوط لہجے میں سنجیدگی سے کہا۔

''تم لوگ بھی زندگی میں ایسی ہی ہمت پیدا کرو۔'' ابو نصیحت آمیز لہجے میں بولے اور اُٹھ کھڑے ہوئے۔

سبھی بچوں کی آنکھوں میں ایسی چمک تھی جیسے وہ بھی زندگی میں کبھی ہمت نہ ہارنے کا فیصلہ کر چکے ہوں۔

■

Dr. Aslam Jawedan
Darul Gheyas, Park Lane (Jamun Gali)
Sabzibagh, Patna - 800004 (Bihar)

ایم رحمن

سمجھداری اور ناسمجھی کے کھیل

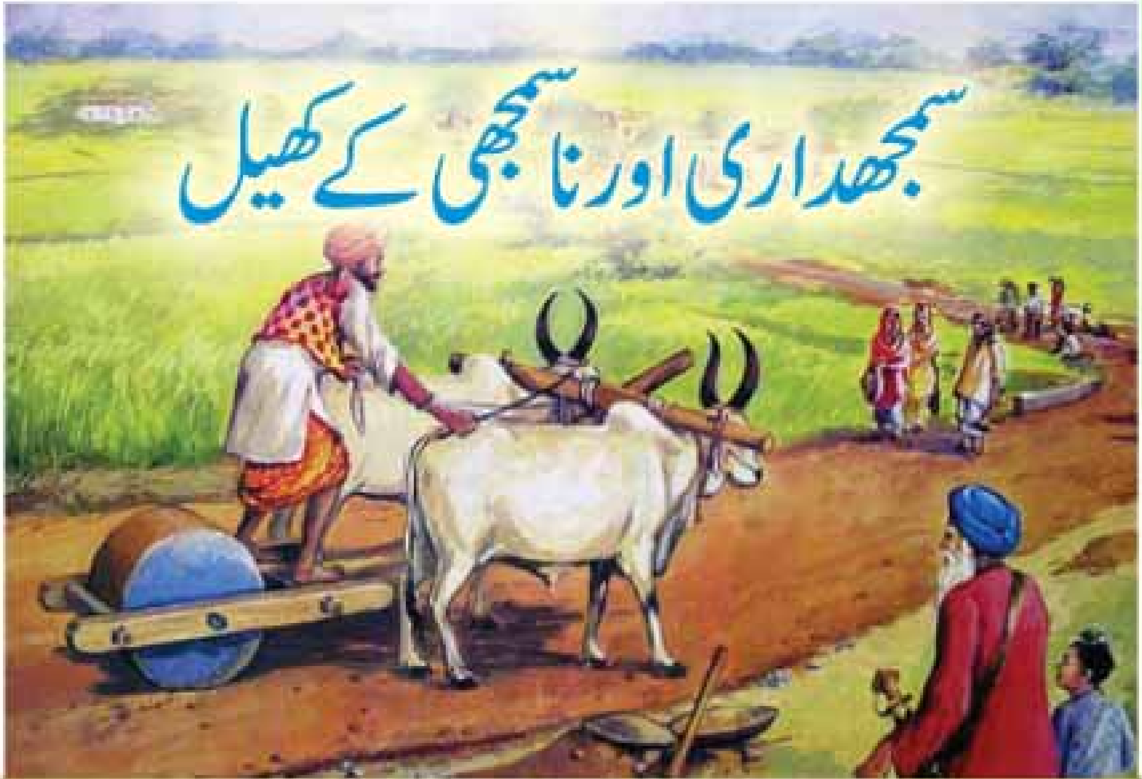

دو کسانوں کے کھیت ملے ہوئے تھے۔ ان کے درمیان ایک مینڈ تھا جس پر جھگڑا ہو گیا۔ ہر ایک کہتا تھا کہ مینڈ میری ہے۔ دونوں کھیت کی مینڈ پر لڑ گئے۔

یہ جھگڑا پہلے 'مینڈ' کا تھا پھر وہ 'ساکھ' کا مسئلہ بن گیا۔ ہر ایک کو دکھائی دینے لگا کہ مینڈ سے ہٹنا لوگوں کی نظر میں اپنے آپ کو بے عزت کرنا ہے۔ چنانچہ جھگڑا بڑھتا رہا۔ وہ یہاں تک بڑھا کہ دونوں طرف قتل ہوئے۔ کھیت کاٹے گئے۔ دونوں نے ایک دوسرے کی چیزیں جلائیں۔ اس کے بعد معاملہ اور بڑھا۔ وہ پولس اور عدالت کا معاملہ بن گیا۔ مقدمہ بازی کا لمبا سلسلہ شروع ہو گیا۔ نتیجہ یہ ہوا کہ 20 سال بعد صرف اس وقت مقدمات ختم ہوئے جب کہ ان کے کھیت، باغ، زیورات سب بک گئے۔ ایک معمولی مینڈ کو پانے کے لیے دونوں نے اپنا سب کچھ کھو دیا۔

مگر دونوں کسانوں کے بچے ایک ساتھ ایک ہی اسکول میں پڑھتے تھے۔ ان کے بیچ کوئی جھگڑا آپس میں کرنا ٹھیک نہیں ہے۔ کیونکہ اسکول میں استاد بھی سکھایا کرتے کہ بچو! آپس میں کبھی جھگڑا نہیں کرنا چاہیے۔ مل جل کر رہنے میں شانتی ہے۔ مگر یہ بچے تو ماں باپ کے سامنے یہ کہتے ہوئے سنائی دیتے کہ پاپا مینڈ کا جھگڑا ختم کر دیجیے۔ یہ تو خدا کی دی ہوئی نعمت ہے۔ تھوڑی سی زمین کے لیے آپسی رشتے بگڑ جاتے ہیں۔ دراصل بچوں کی اپنی اچھی سوچ تھی۔

یہی مینڈ کا جھگڑا ایک اور کسان کے ساتھ پیدا ہوا مگر اس نے فوری اشتعال کے تحت کاروائی کرنے کے بجائے اس پر غور کیا۔ سمجھدار لوگوں سے مشورے کیے۔ آخرکار اس کی سمجھ

میں یہ بات آئی کہ مینڈ کا جھگڑا مینڈ پر طے نہیں ہوتا۔ جھگڑے کو سلجھانے کی جگہ دوسری ہے۔ یہ سوچ کر اس نے جھگڑے کی مینڈ چھوڑ دی۔

بچو! اس نے یہ کیا کہ مسئلہ پر آج سے سوچنے کے بجائے 'پیچھے' سے سوچنا شروع کیا۔ مینڈ کے واقعہ سے اس کے دل کو بھی چوٹ لگی۔ اس کو بھی اپنے نقصان اور اپنی بے عزتی سے وہی تکلیف ہوئی جو ہر انسان کو ایسے وقت پر ہوتی ہے مگر اس نے اپنے جذبات کو تھاما۔ فوری جوش کے تحت کارروائی کرنے کے بجائے سوچ سمجھ کر اقدام کرنے کا فیصلہ کیا۔

اب اس نے اپنے کھیتوں پر پہلے سے زیادہ محنت شروع کردی۔ جو طاقت وہ دشمن کو برباد کرنے کی کوششوں میں لگاتا اسی طاقت کو اس نے خود اپنی تعمیر میں لگانا شروع کردیا۔ اس نئی فکر نے اس کے اندر نیا حوصلہ جگایا۔ وہ نہ صرف اپنے کھیتوں میں زیادہ محنت کرنے لگا بلکہ کھیتی کے ساتھ کچھ اور قریبی کاروبار بھی شروع کردیا۔ اس کے نئے شعور کا نتیجہ یہ ہوا کہ اس نے اپنی زندگی کو از سر نو منظم کیا۔ وہ خرچ کو کم کرنے اور آمدنی کو بڑھانے کے اصول پر سختی سے عمل کرنے لگا۔ اس کے ساتھ اس نے اپنے بچوں کو تعلیم کی راہ پر لگا دیا کیونکہ بغیر تعلیم کے کوئی بھی بچہ یا آدمی ادھورا ہوتا ہے۔

اب اس نے طے کرلیا کہ اپنے ہر بچہ کو اعلیٰ تعلیم دلائے گا اور جس آدمی نے مینڈ کا جھگڑا مینڈ پر طے کرنے کی کوشش کی وہ تباہ ہوگیا۔ اس کے برعکس جس نے مینڈ کو چھوڑ کر دوسرے میدان میں مقابلہ کی کوشش کی وہ آخرکار نہ صرف مینڈ کا کا مالک بنا بلکہ دشمن کا پورا کھیت اس کے قبضے میں آگیا۔

بچو! کیا بجلی کا بلب جلتے جلتے بجھ جائے یا پنکھا چلتے چلتے رک جائے تو ہم بلب کو توڑ کر نہیں دیکھتے یا پنکھے سے نہیں الجھتے کیونکہ ہم جانتے ہیں کہ بلب بجھنے اور پنکھا بند ہونے کی وجہ بلب اور پنکھے کے اندر نہیں ان کے باہر ہے۔ اور پھر جہاں سے فرق پڑا ہو وہاں درست کرکے اپنے بلب اور پنکھے کو دوبارہ چلا لیتے ہیں۔ انسانی معاملات بھی اکثر اسی قسم کے ہوتے ہیں۔ مگر عجیب بات ہے کہ بلب اور پنکھے کے معاملہ میں جو بات آدمی کبھی نہیں بھولتا اسی بات کو انسانی معاملہ میں ہمیشہ بھول جاتا ہے۔

آدمی کی یہ عام کمزوری ہے کہ جب بھی اس کی زندگی میں کوئی مسئلہ پیدا ہوتا ہے تو وہ اسی مقام پر اپنا سر ٹکرانے لگتا ہے جہاں مسئلہ پیدا ہوا ہے۔ حالانکہ اکثر حالات میں یہ ہوتا ہے کہ مسئلہ کبھی پیدا نہیں ہوتا ہے اور اس کی وجہ کہیں ہوتی ہے۔ 'حال' کا ایک واقعہ اکثر 'ماضی' کے کسی واقعہ کا نتیجہ ہوتا ہے۔

ایک معاملہ میں کسی کی زیادتی اکثر حالات میں کسی اور معاملہ میں پائی جانے والی ایک صورت حال کے سبب سے وقوع میں آتی ہے۔ ایسی حالت میں بہترین عقلمندی یہ ہے کہ آدمی جائے وقوع پر سر نہ ٹکرائے بلکہ اصل وجہ کو معلوم کرکے بات کو وہاں بنانے کی کوشش کرے جہاں سے بات بگڑ جانے کی وجہ سے اس کے ساتھ وہ حادثہ پیش آیا ہے جس میں وہ آج اپنے کو مبتلا پاتا ہے۔ یہ تو سمجھداری اور ناسمجھی کے کھیل ہیں۔

■

M. Rehman
160, Ghalib Apartment, Parwana Road
Pitampura
Delhi - 110034

■ کوثر بھگوت پوری

غزل

ان ہمالہ سے اٹل اونچے خیالوں کو سلام
دیس پر مر مٹنے والے سب جیالوں کو سلام
اپنی آزادی کی خاطر جھیل کر دکھ درد کو
ہنستے ہنستے سولیوں پہ چڑھنے والوں کو سلام
جس نے جاکر جلیاں والا باغ کا بدلہ لیا
ان سپوت و سورما شعلوں کے پالوں کو سلام
آگ کے دریا میں ہوکر آپ خود ہی موجزن
بجلیوں سے کوندتے ان کے جلالوں کو سلام
جن کی کم عمری میں بھی تھا جوش کا طوفاں رواں
جنگِ آزادی کے ایسے نونہالوں کو سلام
اپنے گھر کی تج کے خوشیاں جو کہ کانٹوں پر چلے
ایسے ہر اک پھول سے نازوں کے پالوں کو سلام
وہ جنھوں نے لکھ دی سچائی کو اپنے خون سے
ان جواں مردوں کے سب خوابوں خیالوں کو سلام

■
Kausar Bhagwatpuri
Bhagwatpur, Sarai Ranjan
Distt.: Samastipur - 488127 (Bihar)

ساحر داؤد نگری

ہر میداں میں آگے بڑھو تم

چھک چھک کرتی ریل چلی ہے
اکا باہر کھیل رہی ہے
دادی پکارے آؤ بیٹی
اکا لیکن کیسے سنتی
اس کی پسند کا کھیل جو لائے
اس کے پاپا ریل جو لائے
چھک چھک کرتی ریل چلی ہے
اکا باہر کھیل رہی ہے
دادی نے تھی یاد کرائی
سب کی دلبر سب کی جانی
کھیل میں اکا دیکھو بچہ
بھول گئی ہے پچھلی کہانی
کھیل میں زیادہ جی نہ لگاؤ
اپنا سبق جو بھولتے جاؤ
کھیلو، کودو اور پڑھو تم
ہر میداں میں آگے بڑھو تم

Sahir Daud Nagri
6/225, Lalita Park, Laxmi Nagar
New Delhi - 110092

■ سالک جمیل براڑ

ہمت کی فتح

کہتے ہیں کہ نا اُمیدی کفر ہے۔ کچھ لوگوں کے لیے یہ صرف کہاوت ہے۔ تاریخ میں ہی نہیں، زندگی کے ہر شعبے میں بہت سی ایسی مثالیں موجود ہیں۔ جو اس کہاوت کی حقیقت ہیں۔ آج میں آپ کو ایک ایسے شخص کی کہانی سنانے جارہا ہوں۔ جس نے مسلسل ناکامیوں کے باوجود بھی اُمید کا دامن نہیں چھوڑا تھا۔ بلکہ محنت، ہمت اور حوصلہ سے کامیابی کی منزل طے کی تھی۔ جی ہاں، اُس انسان کا نام جان لوگی بیئرڈ ہے۔ میں سمجھتا ہوں سائنس سے دلچسپی رکھنے والے طلبا کے لیے یہ نام کسی تعارف کا محتاج نہیں۔ طلبا ہی کیا اس دنیا کے تقریباً 99 فیصد لوگ اس عظیم سائنس داں کی ایجاد سے ہر روز بلکہ دن رات فیضیاب ہوتے ہیں۔ لیکن اس دنیا کا دستور ہے کہ وہ تو آم کھاتے ہیں۔ گٹھلیاں نہیں گنتے۔

بہرحال آج میں آپ کو اس عظیم سائنس داں جان لوگی کا ناکامیوں سے کامیابی تک کا سفر بتاتا ہوں۔ جان کی پیدائش 14، اگست 1888 کو اسکاٹ لینڈ کے ایک امیر گھرانے میں ہوئی۔ اس کے والد ریب جان بیرڈ اسکاٹ لینڈ کی سیاسی دنیا کا ایک جانا پہچانا نام تھا۔ جان اپنے چار بہن بھائیوں میں سب سے چھوٹا بچہ تھا۔ اس نے ابتدائی تعلیم لارچ فیلڈ اکادمی (Larchfield Academy) میں حاصل کی۔ جان کی بچپن سے ہی سائنس سے بے پناہ دلچسپی کو دیکھتے ہوئے اعلیٰ تعلیم کے لیے اسے گلیس گو اینڈ ویسٹ آف اسکاٹ لینڈ ٹیکنیکل کالج (Glasgow and west of scotland Techincal College) میں داخل کروایا گیا۔ لیکن پہلی جنگ عظیم کی وجہ سے جان کی تعلیم کا سلسلہ برقرار نہ رہ سکا اور اسے پڑھائی چھوڑ کر ملک کی حفاظت کے لیے فوج میں بھرتی ہونا پڑا۔ کہنے کو تو وہ فوج میں بھرتی ہو گیا تھا لیکن اس کا من سائنس کی دنیا میں گردش کرتا تھا۔ اس کے دل و دماغ میں سائنس کی تجربہ گاہیں چھائی ہوئی تھیں۔ آخرکار 1915 میں اس نے فوج سے استعفیٰ دے دیا اور اپنی طبیعت کے مطابق ایک انجینئرنگ کمپنی Clyde Valley Electrical Power Company میں معمولی ورکر کے طور پر کام کرنے لگا۔ جلد ہی کمپنی کے مالکان جان کی صلاحیتوں سے واقف ہو گئے اور دیکھتے دیکھتے وہ ترقی کی منزلیں طے کرتا ہوا ایک معمولی ملازم سے کمپنی کے اعلیٰ انجینئروں میں شمار ہونے لگا۔

نوکری سے چھٹی کے بعد وہ گھر آ کر دنیا سے بے نیاز ہو کر اپنی ذاتی تجربے گاہ میں داخل ہو جاتا اور گھنٹوں کسی نہ کسی تجربے میں مصروف رہتا۔ کیونکہ وہ کچھ ایسا انوکھا کرنا چاہتا تھا جس سے دنیا کا فائدہ ہو اور اس کا نام ہمیشہ سنہری حروف میں لکھا جائے۔ اس دوران اس نے بہت سے تجربے کیے اور کئی

چیزیں ایجاد کرنے کی کوشش کی۔ لیکن یہ راہ اتنی آسان نہیں تھی۔ وہ برسوں تک اپنی تجربہ گاہ میں دن رات لگا رہا۔ آخرکار ایک دن وہ کامیاب ہوگیا اور اس نے اپنی ذہانت کا لوہا دنیا بھر میں منوا لیا۔ آیئے جان کی تجربہ گاہ میں داخل ہوتے ہیں اور اس کی ناکامیوں سے کامیابی کے سفر سے روبرو ہوتے ہیں۔

جان لوگی نے ایک دن چھری سے داڑھی بناتے بناتے اکتا جانے کے بعد سیفٹی ریزر بنانے کا ارادہ کیا۔ کئی ماہ کی محنت کے بعد سیفٹی ریزر تیار ہوگیا۔ لیکن تجربے کے طور پر جب جان نے پہلی بار اپنی شیو بنائی تو اُس کا منہ بُری طرح چھِل گیا اور اس کی سیفٹی ریزر کی ایجاد ناکام ہوگئی۔ سیفٹی ریزر کی ناکامی کے بعد جان لوگی نے ہار نہیں مانی۔ بلکہ جوتوں کے لیے ہوا سے بھرے تلے بنانے میں جٹ گیا۔ کئی ماہ کی محنت کے بعد اس نے ہوا سے بھرے تلے تیار کر لیے۔ لیکن جب تجربے کے بعد اس نے خود وہ تلے پہنے تو وہ پھٹ گئے۔ اس ایجاد کی ناکامی کے بعد جان کو مایوسی تو ضرور ہوئی۔ لیکن اس نے ہمت نہ ہاری اور مصنوعی ہیرے بنانے کی مشین تیار کرنے لگ گیا۔ مشین تیار ہونے پر جب اُس نے پہلی بار مشین چلائی۔ تو اس کے ٹکڑے ٹکڑے ہوگئے اور جان لوگی کی یہ ایجاد بھی ناکام ہوگئی۔ نقلی ہیروں کی مشین کے بعد اس نے ایک خاص قسم کے موزوں کی ایجاد کی۔ ان موزوں کی یہ خصوصیت تھی کہ یہ سردیوں میں گرم اور گرمیوں میں ٹھنڈے رہتے تھے۔ لیکن ان کی اس ایجاد کی طرف کسی نے ذرا بھی دھیان نہیں دیا۔ جان بالکل بھی مایوس نہیں ہوا بلکہ اپنی نئی ایجاد میں مشغول ہوگیا۔

جان لوگی کی ہمت اور لگن کی داد دینی ہوگی۔ زندگی میں بے پناہ مشکلات اور ناکامیوں کے باوجود وہ کبھی بھی مایوس نہیں ہوا تھا۔ اس نے کچھ ایسا کرنے کی ٹھانی ہوئی تھی جس سے وہ دنیا میں اپنے وجود کا احساس کروا سکے۔ آخر ایک لمبی کشمکش غالباً 15 سال کے بعد اس نے 1929 میں ایک ایسی چیز ایجاد کی جس سے اس کی شہرت دنیا بھر میں پھیل گئی اور یہ ایجاد معمولی کارنامہ نہیں تھا۔ یہ ایجاد کسی کرشمے سے کم نہیں تھی۔ جان نے ٹیلی ویژن ایجاد کیا تھا۔ جو آج ہماری زندگی کا ایک اہم ترین جز بن چکا ہے۔ ٹیلی ویژن کی کامیابی کے بعد جان لوگی کا نام دنیا کے عظیم سائنس دانوں میں شمار ہونے لگا۔ اس کا نام رہتی دنیا تک یاد کیا جائے گا۔ ٹیلی ویژن کے علاوہ انھوں نے تاریک نظری بھی ایجاد کی جس سے رات کے اندھیرے میں بھی فوٹوگرافی کی جاسکتی ہے۔ 14، جون 1946 کو جان بیرڈ اس دنیا سے رخصت ہوگیا۔ جان کو اس کی زندگی میں ہی بے شمار اعزازات و انعامات سے نوازا گیا۔ وہ اپنی قابلیت کے بل بوتے پر سائنس کی دنیا کے بڑے بڑے عہدوں پر فائز رہا۔ آج جان لوگی کا نام دنیا کے دس عظیم سائنس دانوں میں شمار ہوتا ہے۔ بی.بی.سی لندن نے 2002 اور 2006 میں جان کو انگلینڈ کے سو قابلِ رشک افراد میں سے 44 نمبر پر رکھا تھا۔

دیکھا بچو!... جان لوگی نے ٹیلی ویژن کی ایجاد کرکے یہ ثابت کردیا کہ ناامیدی کفر ہے اور ہمت کے آگے ہر چیز گھٹنے ٹیک دیتی ہے اور ہمت کی ہمیشہ جیت ہوتی ہے۔ تو بچو!... ہمیں زندگی کی مشکلات اور ناکامیوں سے کبھی بھی گھبرانا نہیں چاہیے۔ بلکہ ہر حال میں صبر، ہمت اور محنت کا دامن تھامے رکھنا چاہیے۔ انشاء اللہ کامیابی ایک دن ہمارے قدم چومے گی۔

■

Salik Jamil Brar
Brar Street, Hazrat Sheikh Road, Maler
Malerkotla - 148023 (Punjab)

محمد محب اللہ

بیٹی

بشریٰ کو سرکاری نوکری مل گئی۔

جب شام کو گھر آئی، ماں کے قریب جا کر بولی:

"ماں! منہ کھولو؟"

یہ کہتے ہوئے ڈبے سے مٹھائی نکالی اور جلدی سے ماں کے منہ میں ڈال دی۔

"ماں آج تیری بیٹی کو نوکری مل گئی!؟"

"سچ؟؟ میری بچی کو نوکری مل گئی! اللہ کا شکر ہے!" یہ کہتے ہوئے ماں کی آنکھ سے خوشی کے آنسو نکل پڑے۔

"ماں اب تمھیں کام کرنے کی کوئی ضرورت نہیں!" بشریٰ نے کہا۔

"بیٹا ابھی تیری شادی باقی ہے۔ تیرے ہاتھ پیلے کرنے کے لیے سامان تیار کرنا ہے۔ اس لیے میں جب تک کام کر سکتی ہوں کرنے دو۔" ماں نے کہا۔

"نہیں ماں اب تو کام پر نہیں جائے گی۔ بس! اب جو ہوگا میں دیکھوں گی۔" بشریٰ نے ضد کی۔

"ٹھیک ہے۔ اب میں کام نہیں کروں گی بس!"

بشریٰ روزانہ صبح دفتر جاتی اور شام کو آتے ہی ماں کی خدمت میں لگ جاتی۔

ایک دن دفتر سے آنے کے بعد بشریٰ نے خلاف معمول ماں سے سنجیدہ لہجے میں پوچھا:

ماں میں نے جب بھی آپ سے ابا کے بارے میں جاننا چاہا تو یہ کہہ کر ٹال دیا کہ تو پڑھ لکھ بڑی ہو جائے گی اور تجھے نوکری مل جائے گی تو سب بتاؤں گی۔ ماں اب تو مجھے نوکری بھی مل گئی ہے! بتاؤ نا ابا کے بارے میں، انھوں نے تو ہم لوگوں کو کیوں اکیلا چھوڑ دیا؟

والد کا ذکر آتے ہی ماں کی پلکیں بھیگ گئیں اور بولیں:

بیٹا وہ دردناک رات یاد کر کے کلیجہ منہ کو آ جاتا ہے۔ جب تو میری گود میں تھی۔ تیرے ابو نے تجھے مار ڈالنے کی کوشش کی کہ تو لڑکی کیوں پیدا ہوئی؟ بچانے لگی تو مجھے گھر سے نکال دیا۔ میں تجھے لے کر اپنے منہ بولے بھائی محمود کے

پاس گئی تاکہ میری مدد ہو سکے، لیکن گاؤں کا معاملہ تھا انھوں نے تمھیں دودھ لا کر دیا اور مجھے کھانا کھلایا لیکن گھر میں ٹھہرانے کو راضی نہ ہوئے۔ آخر کار میں تجھے گود میں لے کر تاریک راہوں کا سفر طے کر کے ہائی وے تک پہنچی۔ خدا خدا کر کے رات گزاری صبح سویرے ایک بس شہر کو جا رہی تھی اس پر سوار ہو کر نئے لوگوں کے درمیان پہنچ گئی۔ تمام چہرے انجان کوئی رفیق نہیں۔

پٹنہ میرے لیے نیا شہر تھا۔ نئے لوگ اور الگ طرح کی طرز زندگی دیکھ کر میں پریشان تھی مگر ہمت اور حوصلے سے کام لیا۔ اللہ نے ایک نیک بندے کو میرے پاس بھیج دیا۔ اس نے میری حالت دیکھ کر پوچھا۔

میں نے اس کا جواب دیتے ہوئے کہا:

''صاحب جی! میں غریب دکھیاری ہوں، میرے شوہر نے مجھے اور بچے کو گھر سے باہر نکال دیا ہے۔ اب یہاں کام کی تلاش میں آئی ہوں، کوئی کام مل جائے تو میں اپنے بچے کی پرورش کر سکوں۔''

میری بات کا جواب دیتے ہوئے انھوں نے کہا:

''ٹھیک ہے! آپ میرے گھر چلیے میری بیوی بچے ہیں، وہیں گھریلو کام کاج میں ان کا ہاتھ بٹانا اور وہیں رہ لینا، جب کوئی اور اچھا کام مل جائے گا تو پھر آپ چاہیں تو رکیں گی ورنہ کہیں بھی جا سکتی ہیں۔ اس طرح سر راہ کہاں بھٹکتی پھریں گی۔ راستے پر ہر طرح کے لوگ ہوتے ہیں۔''

ان کی باتوں سے انسانیت جھلک رہی تھی۔

پھر میں تجھے اپنے کندھوں پر اٹھائے ان کے گھر چلی آئی۔ ان کے گھر کا کام کاج کرنے لگی۔ جب تو بڑی ہوئی تو اسکول میں داخلہ کرایا گیا اور میں گھریلو کام کاج کے بعد ایک سلائی سنٹر میں کام کرنے لگی۔ تیرے اسکول کی فیس اور اخراجات پورے ہونے لگے۔

پھر ماں نے گہری سانس لی اور تھکی ہوئی آواز میں بولی:

بیٹا! میں نے تجھ سے یہ سب واقعہ نہیں بتائی تاکہ تیرے دل میں اپنے والد کے خلاف نفرت نہ پیدا ہو جائے آج تو بڑی افسر بن گئی ہے۔''

میری خواہش ہے کہ تو رتن پور جا اور ان کو اپنے ساتھ لے آنا۔ انھیں ضرورت ہوگی۔ یہ کہتے ہوئے ماں نے اپنی بات مکمل کی۔

''ماں! ابا نے آپ کے ساتھ اچھا نہیں کیا۔ جب ہمیں ان کی ضرورت تھی تب تو کبھی پوچھا نہیں، کسی سے معلوم بھی نہیں کیا کہ ہم کہاں ہیں، اب ہمیں ان کی کوئی ضرورت نہیں! میں ان سے ملنے نہیں جاؤں گی۔ نہ ہی انھیں یہاں لاؤں گی''

''نہیں رے! یہ سب تو تقدیر کا کھیل ہے۔ جو ہوا سو ہوا۔ تمھیں خدا کا واسطہ تم ان کو ضرور لاؤ گی۔''

ٹھیک ہے ماں! یہ آپ کا حکم ہے تو میں ایسا ہی کروں گی۔ اب رات کافی ہو گئی چلو ہم لوگ کھانا کھائیں پھر سونا بھی ہے۔ یہ کہتے ہوئے وہ ٹیبل پر پلیٹ لگانے لگی۔ سردی کا موسم تھا ماں کو کھانا کھلانے کے بعد ان کو ان کے کمرے میں بستر پر لٹا دیا اور لحاف ڈال کر پاؤں دبانے لگی۔ ماں گہری نیند سو رہی تھی اور میں اپنی جنت کے قدموں میں پڑی اللہ کا شکر ادا کر رہی تھی کہ اس مالک نے ہماری آزمائش کے دن پورے کیے۔

■

Md. Mohibullah
D-319, Abul Fazal Enclave
New Delhi - 110025

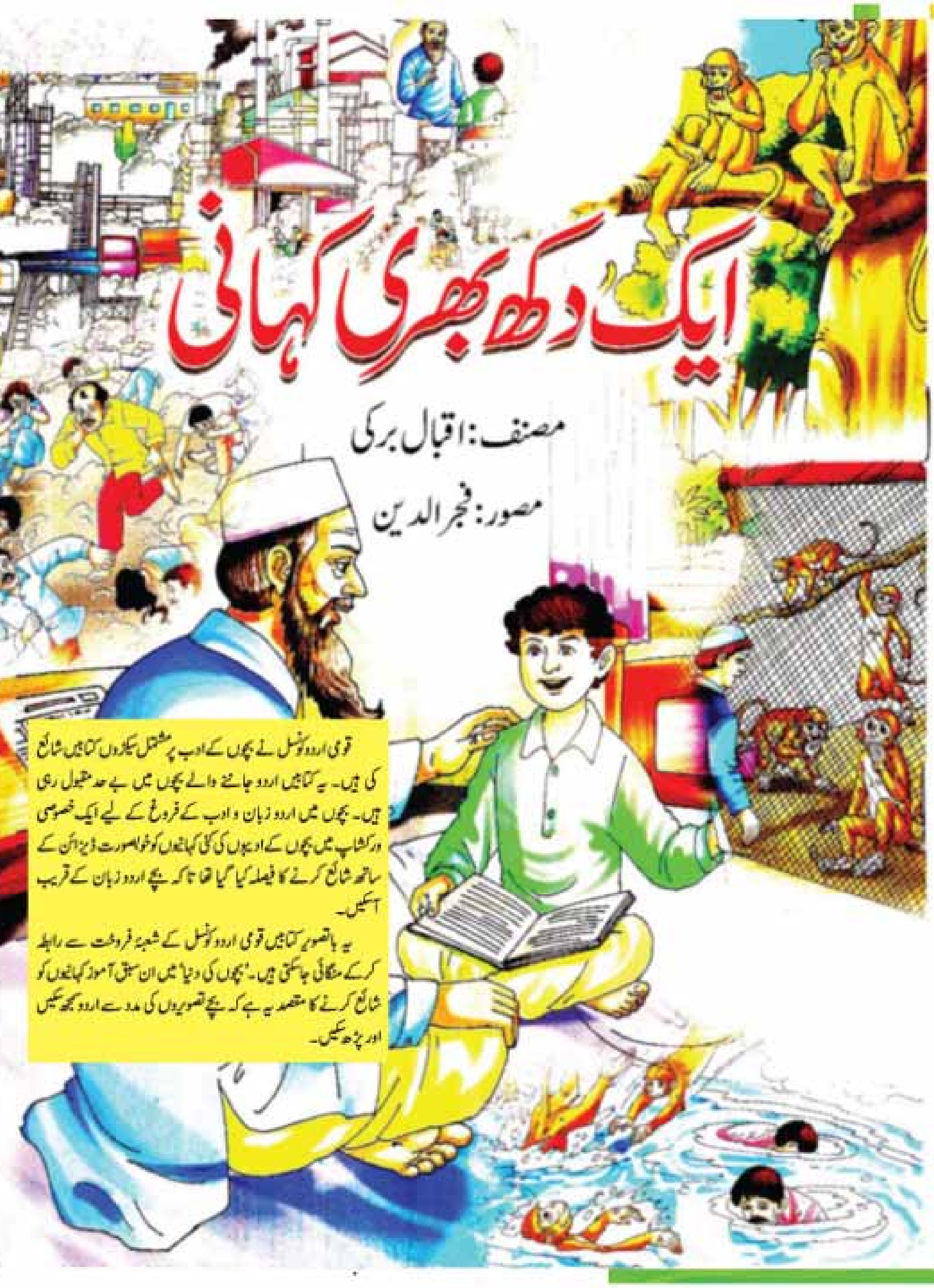

ایک دکھ بھری کہانی

مصنف: اقبال برکی

مصور: فجرالدین

قومی اردو کونسل نے بچوں کے ادب پر مشتمل سیکڑوں کتابیں شائع کی ہیں۔ یہ کتابیں اردو جاننے والے بچوں میں بے حد مقبول رہی ہیں۔ بچوں میں اردو زبان و ادب کے فروغ کے لیے ایک خصوصی ورکشاپ میں بچوں کے ادیبوں کی کئی کہانیوں کو خوبصورت ڈیزائن کے ساتھ شائع کرنے کا فیصلہ کیا گیا تھا تاکہ بچے اردو زبان کے قریب آسکیں۔

یہ باتصویر کتابیں قومی اردو کونسل کے شعبۂ فروخت سے رابطہ کرکے منگائی جاسکتی ہیں۔ بچوں کی دنیا میں ان سبق آموز کہانیوں کو شائع کرنے کا مقصد یہ ہے کہ بچے تصویروں کی مدد سے اردو سمجھ سکیں اور پڑھ سکیں۔

جانتے ہو ان بندروں نے کیا کیا؟ وہ گھبرا کر ادھر ادھر نہیں بھاگے بلکہ وہ جہاں تھے وہاں سے سیدھے ان تالابوں کی طرف بھاگے جو بھوپال شہر میں ہیں۔ کیا آپ جانتے ہیں بھوپال شہر میں بڑے بڑے تالاب ہیں؟"

"نہیں۔ مجھے نہیں معلوم!" اس نے بڑی معصومیت سے انکار کر دیا۔

"کیوں بھئی؟.......... کیا آپ بھول گئے جب آپ کے عارف بھیا دہلی کی سیر سے واپس آئے تھے تو آپ کو سناتے تھے کہ.......... تال تو تال بھوپال تال باقی سب تلیا!.......... اور رانی سورانی روپ متی باقی سب کنہیا۔"

"ہاں ہاں عارف بھیا کے ساتھ ہم سب دہراتے تھے۔"

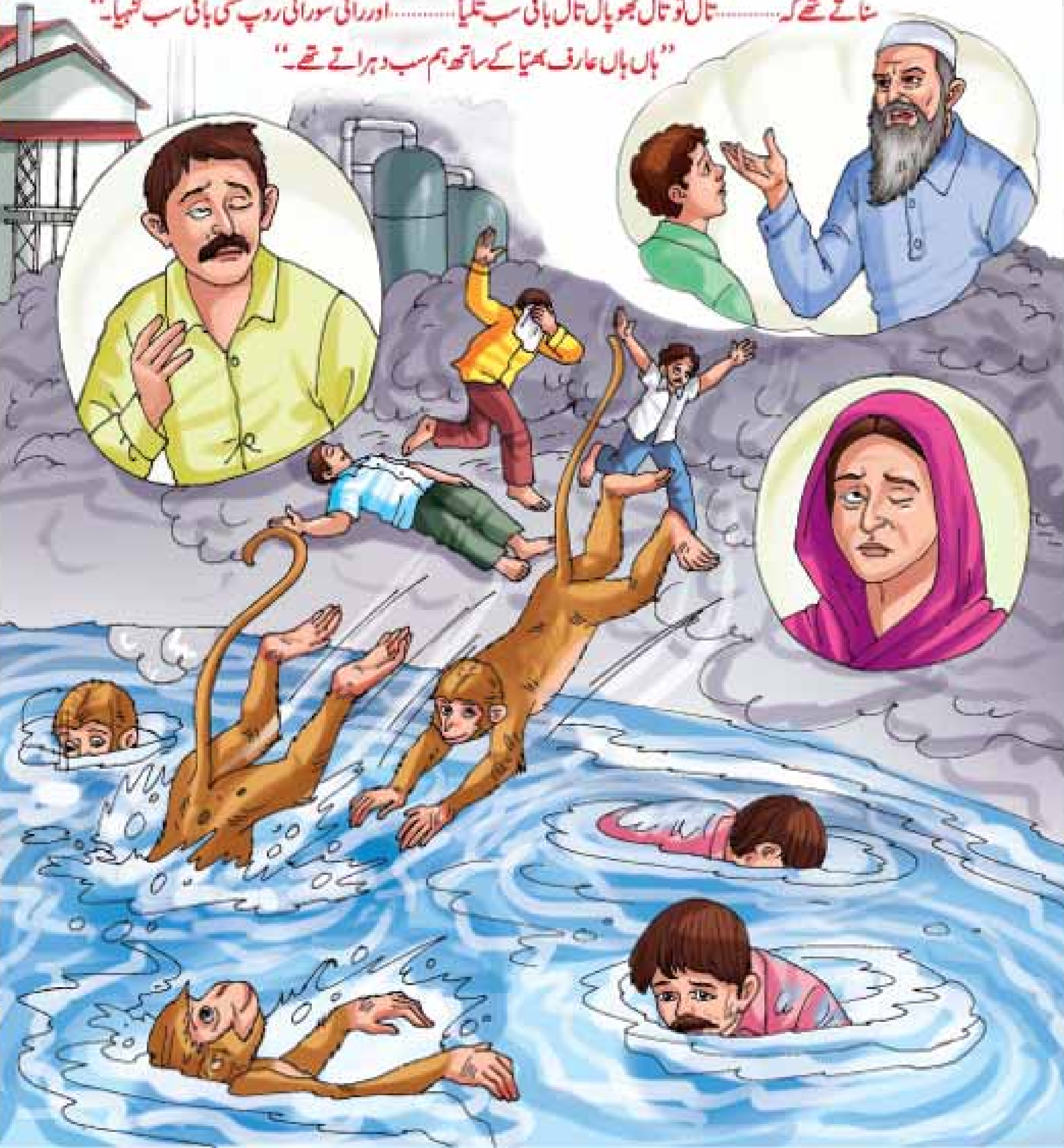

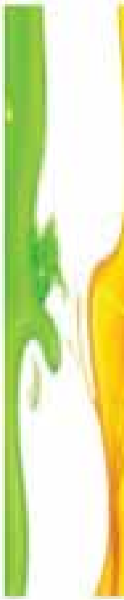

"ہاں...... اب آپ نے بالکل صحیح سوال کیا ہے...... یہی تو میں بھی جاننا چاہتا ہوں کہ وہ کیوں نہیں مرے...... اب اس سوال کا جواب خود سوچو...... خوب غور کرو...... اگر آج نہیں تو کل...... پرسوں...... بلکہ ہفتہ بھر کے بعد بھی اگر آپ کو جواب معلوم ہو جائے تو مجھے بتا دینا...... ٹھیک ہے...... اچھا۔ مجھے تھوڑا سا لیٹنے دو......" کہتے کہتے میں نے کروٹ بدل لی۔

اور جب عصر سے کچھ پہلے بیدار ہوا تو میں نے دیکھا کہ میرا بیٹا وہیں بیٹھا ہے۔ لیکن اب اس کے ہاتھ میں اس کی سائنس کی کتاب تھی اور وہ ایک مخصوص جگہ پر انگلی دبائے کتاب کو پکڑے ہوئے تھا۔ وہ جیسے میرے بیدار ہونے ہی کا انتظار کر رہا تھا۔ جیسے ہی مجھے آنکھیں کھولتے ہوئے دیکھا، بولا، "ابو جی...... اس کا جواب یہ ہے کہ کچھ گیسیں پانی میں حل پذیر ہوتی ہیں...... پانی میں ڈوب کر نکلنے والے بندروں کے آس پاس کی گیس ان کے جسم پر بہنے والے پانی میں حل ہو گئی تھی کیونکہ وہ بھی پانی میں حل پذیر تھی۔ اس طرح ان کو صاف ہوا مل گئی اور وہ لوگ بچ گئے......"

"بالکل...... بالکل یہی بات ہے۔ ویری گڈ...... ویری نائس مائے بوائے! جواب تو آپ نے بہت جلدی ڈھونڈ نکالا! ویری گڈ......"

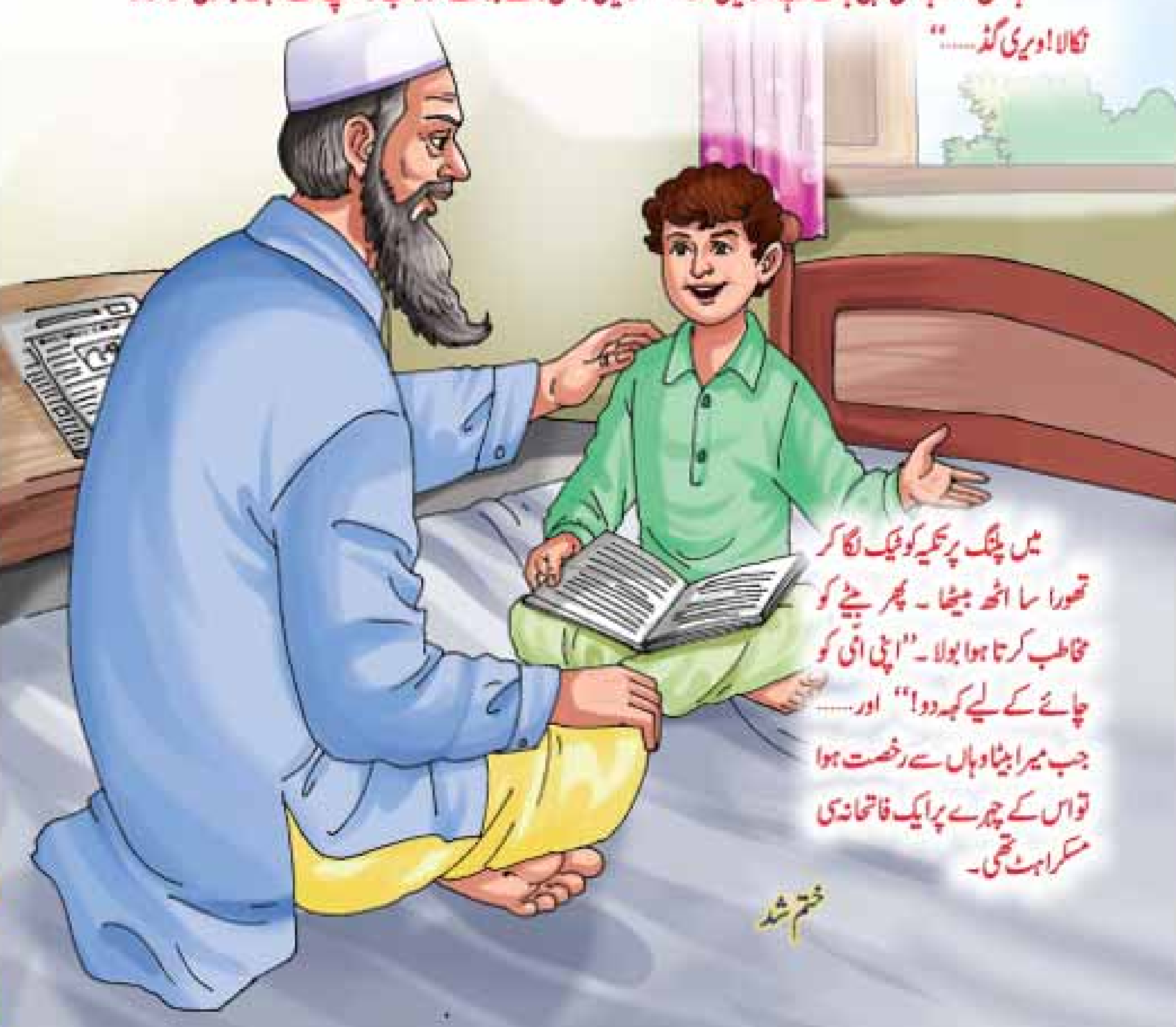

میں پلنگ پر تکیہ کو ٹیک لگا کر تھوڑا سا اٹھ بیٹھا۔ پھر بیٹے کو مخاطب کرتا ہوا بولا۔ "اپنی امی کو چائے کے لیے کہہ دو!" اور...... جب میرا بیٹا وہاں سے رخصت ہوا تو اس کے چہرے پر ایک فاتحانہ سی مسکراہٹ تھی۔

ختم شد

مصنف: جولز ورنے
مترجم: شکیل صدیقی

قسط وار ناول

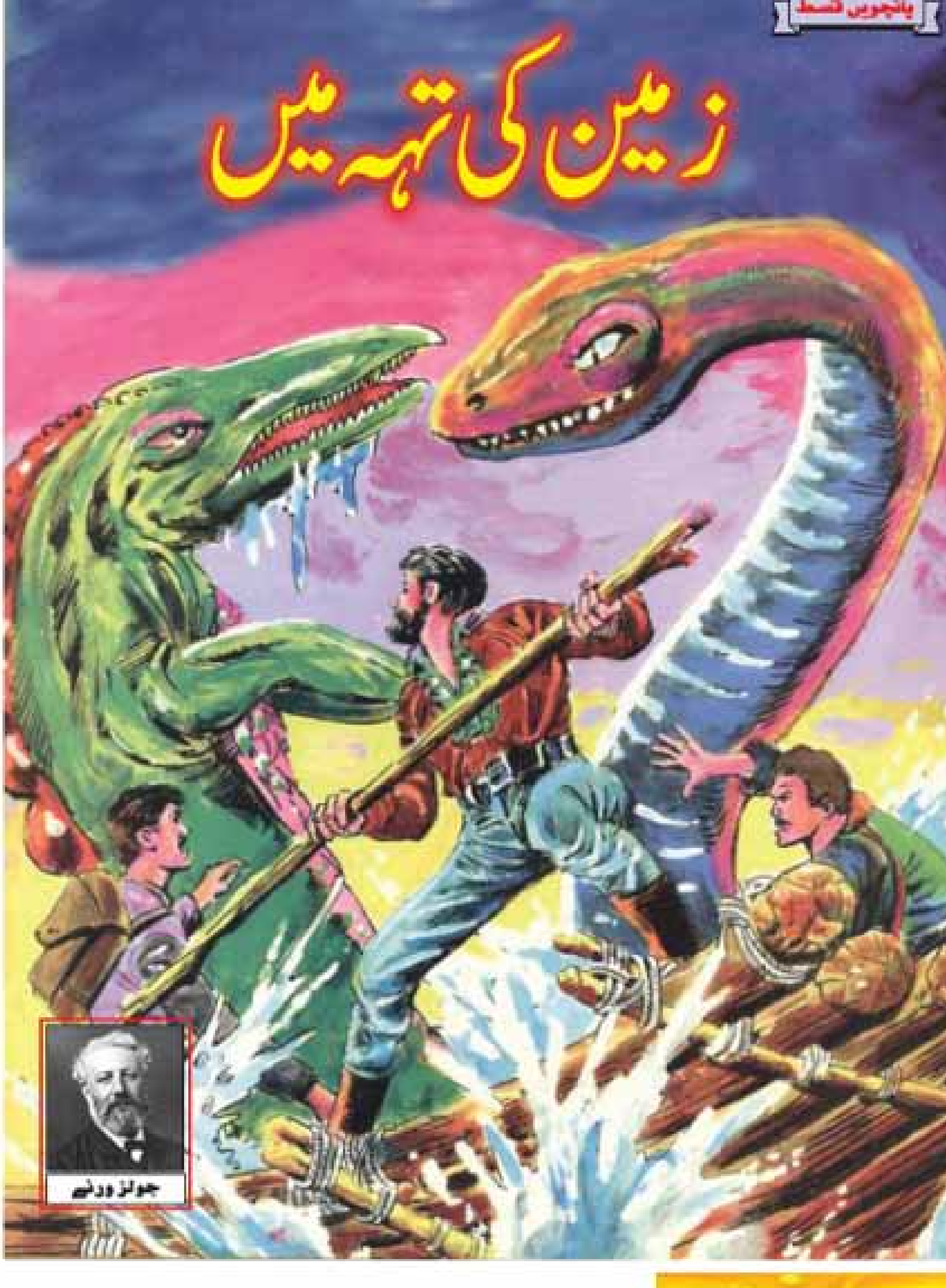

ہماری کوشش ہوتی ہے کہ آپ کو نئے نئے جہانوں کی سیر کرائیں اور ثقافتی، تاریخی وتہذیبی معلومات کے ساتھ ساتھ جغرافیائی، ارضیاتی اور سائنسی معلومات بھی فراہم کریں۔ یہ ناول پہلے فرانسیسی زبان میں 1864 میں لکھا گیا تھا۔ اس ناول کا ترجمہ اردو سمیت دنیا کی اہم زبانوں میں ہو چکا ہے۔ اس ناول کے مصنف جولز ورنے ہیں جو عالمی ادب میں فادر آف سائنس فکشن کے طور پر مقبول ہیں۔ ان کے ایک ناول Around the World in Eighty Days کو بہت زیادہ شہرت ملی تھی جس کو آپ نے 'بچوں کی دنیا' میں قسط وار پڑھا بھی ہے۔ جولز ورنے کے ناول بچوں کے ساتھ بڑوں میں بھی بہت مقبول رہے ہیں۔ انھیں نئے نئے جہانوں کی سیر کرنے اور کرانے میں ملکہ حاصل تھا۔ ان کے ناولوں پر کئی فلمیں اور ٹیلی سیریل بھی بن چکے ہیں۔ 'زمین کی تہہ میں' ایک ایسا ناول ہے جس میں زمین کے ہزاروں فٹ نیچے کی دنیا کو دکھایا گیا ہے۔ یہ پروفیسر لائڈین بروک کی کہانی ہے جو ایک پراسرار تحریر کے بعد زمین کی تہہ کے ایک سفر پر نکلتا ہے جس میں اُسے ڈھیر ساری مشکلات پیش آتی ہیں۔ عجیب وغریب جانداروں اور اشیا سے اُس کا سامنا ہوتا ہے۔ وہ کس طرح زمین کی تہہ تک پہنچتا ہے اور واپس اس دنیا پر آتا ہے یہی اس ناول کا ماحصل ہے۔ اس میں آپ کو سائنس کی اہم معلومات کے ساتھ ساتھ زمین کے اندر کی عجیب وغریب جانکاریاں بھی ملیں گی۔

اب تک آپ نے پڑھا کہ پروفیسر لائڈین بروک معدنیات وارضیات کے ماہر تھے۔ وہ بہت قابل شخص تھے اور علاقے میں ان کی کافی عزت تھی، انھیں پرانی کتابوں سے بھی دلچسپی تھی۔ ایک دن انھیں سات سو سال پرانی کتاب ہاتھ لگی جو آئس لینڈ کی زبان میں تھی۔ پروفیسر بروک اپنے بھتیجے کے ساتھ رہتے تھے۔ چچا بھتیجے نے اس کتاب کی تحریر سمجھنے کی کوشش کی۔ بہت مشکل سے بس وہ کچھ الفاظ ہی سمجھ پائے۔ پروفیسر لائیڈن بروک کہیں چلے جاتے ہیں اور ادھر بھتیجہ اس تحریر کو سمجھنے کی کوشش کرتا ہے اور اس میں کامیاب ہو جاتا ہے۔ وہ نہیں چاہتے ہوئے بھی پروفیسر کو بتا دیتا ہے کیونکہ اس میں ایک خطرناک سفر پر جانے کی بات تھی۔ تحریر کو پڑھنے اور سمجھنے کے بعد پروفیسر نے سفر پر جانے کی ٹھان لی۔ بھتیجہ (البرٹ) نہیں چاہتے ہوئے بھی تیار ہو گیا۔ آخر کار دو دن بعد لائیڈن بروک اور البرٹ اس خطرناک سفر پر نکل گئے۔ سفر کے لیے انھیں کوپن ہیگن پہنچنا تھا اور وہاں سے آئس لینڈ۔ آئس لینڈ پہنچنے کے بعد ایک رات آرام کیا اور پھر دوسرے دن صبح وہاں کے مشہور آتش فشاں سنی فلز کا سفر شروع کیا۔ یعنی فلز پانچ ہزار فٹ بلند پہاڑ تھا۔ کئی طوفان اور دیگر پریشانیوں کا سامنا کرتے ہوئے چچا بھتیجے سنی فلز کی چوٹی پر پہنچتے ہیں۔ چوٹی سے اب آتش فشاں کے اندر اترنے کا خطرناک سفر شروع ہوا۔ دونوں لوگ سنبھل سنبھل کر زمین کی تہہ میں اترنے لگے۔ اب آگے

سرنگ سے نیچے

اصل سفر اب شروع ہونے والا تھا۔ میں جانتا تھا کہ اب مصیبتیں اور تکلیفیں پیش آئیں گی۔ میں نے ابھی تک گہرے کنویں میں جھانک کر نہیں دیکھا تھا، لیکن اب تو مجھے اس میں اتر کر سفر کرنا تھا۔ ہانس پرسکون تھا اور اس پر گھبراہٹ طاری نہیں ہوئی تھی، اس کا اطمینان دیکھ کر مجھے اپنے خوف پر شرم آنے لگی۔ میں نے اپنا دل مضبوط کیا اور بیچ والے راستے کی طرف بڑھا۔

میں نے ایک چٹان کا سہارا لے کر اس گہرے سرنگ نما

راستے میں جھانک کر دیکھا۔ میرے قدم لڑکھڑا گئے۔ اگر ہانس نے مجھے پیچھے سے نہ سنبھال لیا ہوتا تو میں اس میں گر پڑتا۔ ایسا معلوم ہوتا تھا جیسے کوپن ہیگن کے چرچ کی بلندی طے کرتے ہوئے میں نے کوئی سبق نہیں لیا۔

میں اس سرنگ پر ایک نظر ہی ڈالنے میں کامیاب ہوسکا تھا، مگر جو کچھ دکھائی دیا اس سے میرے جسم کے رونگٹے کھڑے ہوگئے۔ اس کی دیواریں تقریباً عمودی تھیں۔ یہ صحیح ہے کہ اس میں اترتے ہوئے ہم ان دیواروں پر موجود لاوے پر پاؤں ٹکا سکتے تھے، لیکن سوال یہ پیدا ہوتا تھا کہ ہم اپنا توازن کیسے برقرار رکھ سکیں گے؟ اس میں زینہ بھی تھا، مگر اس کی ریلنگ غائب تھی۔ اگر سرنگ کے اوپری حصے میں کسی چٹان سے ایک رسی باندھ دی جاتی تو ہم اس کے سہارے اتر سکتے تھے، لیکن یہ بات پریشان کر رہی تھی کہ جب ہم آخری حصے میں پہنچیں گے تو کیا ہوگا؟''

چچا جان نے اس مسئلے کو حل کر دیا۔ انھوں نے چار سو فٹ لمبی ایک رسی لی جو انگوٹھے کے برابر موٹی تھی، اسے ایک چٹان کے گرد لپیٹا اور اس کے دونوں سرے نیچے پھینک دیے۔ اس طرح سے ہم دو سو فٹ کا فاصلہ طے کر سکتے تھے۔ اس کے بعد ہم رسی کا ایک سرا پکڑ کر گھسیٹ لیتے اور پھر کسی چٹان پر اسے لپیٹ کر اس کے دونوں سرے نیچے پھینک دیتے۔

''اور اب ہم میں سے ہر ایک اپنی پیٹھ پر ایک تھیلا رکھے گا۔ ہانس کی پیٹھ پر اوزاروں کا تھیلا ہوگا اور تم البرٹ آگ بجھانے والے اوزار اپنی پیٹھ پر رکھو گے جبکہ میں نازک اوزار لے کر اتروں گا۔''

''مگر کپڑوں کا تھیلا اور رسی کا بنڈل کون لے جائے گا؟'' میں نے پوچھا۔

''وہ خود لیتے جائیں گے۔''

''میں آپ کا مطلب نہیں سمجھا؟''

''تم خود ہی دیکھ لوگے۔''

چچا جان عجلت پسند ہیں۔ ان کی ہدایت پر ہانس نے کپڑوں اور رسیوں کا ایک بنڈل بنایا اور سرنگ سے نیچے پھینک دیا۔ وہ بنڈل جب نیچے سے جا کر سطح سے ٹکرایا تو ہلکے سے دھماکے کی آواز آئی۔ چچا نے جھک کر جائزہ لیا پھر اطمینان سے بولے ''ٹھیک ہے، اب ہماری باری ہے۔''

اس جملے کو سن کر میں خوف سے کانپ گیا۔

ہم نے سامان کے تھیلے پیٹھ پر باندھ لیے اور اترنا شروع کر دیا۔ ہانس سب سے آگے تھا، اس کے بعد چچا اور پھر میں تھا۔ وہاں مکمل خاموشی چھائی ہوئی تھی البتہ جب ہمارے پاؤں کے نیچے سے کوئی پتھر نکل کر گہرائی میں گرتا تھا تو شور مچ جاتا۔

میں نے ایک ہاتھ سے دُہری رسی تھامی اور دوسرے میں فولادی سلاخ اور خود کو نیچے گرانا شروع کر دیا۔ اس رسی میں تین افراد لٹکے ہوئے تھے اس لیے مجھے اس کے ٹوٹنے کا اندیشہ تھا لہٰذا میں اس پر زور نہیں دے رہا تھا اور ہلکے ہاتھ سے تھامے ہوئے تھا جبکہ میں ہاتھوں کی جگہ ٹانگوں سے کام لے رہا تھا اور لاوے پر پاؤں جما جما کر اتر رہا تھا۔

''ہوشیاری سے!'' ہانس اس وقت بے اختیار کہہ اٹھتا جب کوئی پتھر اس کے قدموں کے نیچے سے پھسل کر گہرائی میں گر پڑتا۔

آدھے گھنٹے بعد ہم ایک مضبوط چٹان کے قریب پہنچ گئے جو سرنگ کی دیوار میں پیوست تھی۔ ہم تینوں اس چٹان پر کھڑے ہوگئے تو ہانس نے رسی کا ایک سرا پکڑ کر کھینچا، دوسرا سرا جو اوپری چٹان سے لپٹا ہوا تھا لاوے اور پتھروں کے ساتھ نیچے آ گیا۔

میں نے نیچے نگاہ ڈالی، اس سرنگ نما راستے کی تہہ اب بھی دکھائی نہیں دے رہی تھی۔ آدھے گھنٹے بعد ہم اس طرح کے

سے مزید دو سوفٹ نیچے اتر گئے۔ یقیناً ایسے نازک موقعے پر کوئی ماہر ارضیات چٹانوں کا مشاہدہ و مطالعہ نہیں کرسکتا، اس لیے میں نے ایسی کوئی کوشش نہیں کی، مگر ایسا معلوم ہوتا جیسے پروفیسر بروک چٹانوں کا جائزہ لے رہے ہیں۔ جب ہم ایک مرتبہ ایک چٹان پر رکے تو انھوں نے کہا ''میں جیسے جیسے نیچے جارہا ہوں میرا اعتماد بڑھتا جارہا ہے۔ ان آتش فشانی چٹانوں سے پتا چلتا ہے کہ ہمفرے ڈیوی صحیح تھا۔ میں اس تھیوری سے متفق نہیں ہوں کہ جیسے جیسے ہم زمین کی تہہ کی طرف بڑھیں گے ویسے ویسے گرمی بڑھتی جائے گی۔''

وہ ہمیشہ اس نکتے پر اپنے خیالات کا اظہار کرنا شروع کردیتے جبکہ میں ان سے بحث نہیں کرتا تھا۔ میری خاموشی پر وہ یہ تاثر لیتے کہ میں ان سے متفق ہوں۔

تین گھنٹے اس رسی کے سہارے پھسلنے کے بعد بھی مجھے اس سرنگ کی تہہ نہیں دکھائی دی جبکہ وہ سرنگ کا دہانہ جس سے ہم اس سرنگ میں داخل ہوئے تھے۔ رفتہ رفتہ چھوٹا ہوتا دکھائی دے رہا تھا اور تاریکی بڑھتی جارہی تھی۔

ہم اس رسی کو چودہ مرتبہ کھول کر نیچے پھینک چکے تھے اور ہر ایک ٹکڑا طے کرنے میں آدھا گھنٹہ لگ جاتا جبکہ پندرہ منٹ ہم آرام کرتے تھے۔ گویا اس طریقے سے ہمیں اس سرنگ میں اترتے ہوئے ساڑھے دس گھنٹے ہوچکے تھے اور دو سوفٹ کی رسی کے ذریعہ چودہ بار اترنے کا مطلب یہ ہوا کہ ہم نے اب تک اٹھائیس سوفٹ کا فاصلہ طے کرلیا تھا۔

اس موقعے پر ہانس نے اونچی آواز سے کہا ''ٹھہرو۔''

اس سے پہلے کہ میرے پاؤں چچا کے سر سے ٹکرا جاتے میں رک گیا۔

''ہم پہنچ گئے۔'' پروفیسر نے کہا۔

''کہاں؟'' میں نے پھسل کر ان کے برابر پہنچتے ہوئے پوچھا۔

''سرنگ کی تہہ میں۔''

''کیا یہاں سے کوئی دوسرا راستہ نہیں جاتا؟''

''میں نے ایک تنگ سی راستہ دائیں جانب سے نکلتے دیکھا ہے'' ''مگر ہم اسے کل دیکھیں گے۔ اس وقت کچھ کھا کر آرام کیا جائے'' انھوں نے کہا۔

اس وقت تک مکمل تاریکی نہیں ہوئی تھی۔ ہم نے کھانا کھایا اور پھر چٹانوں اور لاوے کے بستر پر لیٹ گئے۔ سرنگ

کے بالکل اوپر جیسے کسی دیو پیکر خوردبین کے ذریعے مجھے ایک چمک دار ستارہ دکھائی دیا۔ پھر میری آنکھیں بند ہوتی چلی گئیں اور میں گہری نیند سو گیا۔

دس ہزار فٹ نیچے

صبح آٹھ بجے سورج کی کرن پڑنے سے ہم سب بیدار ہو گئے، سورج کی وہ کرن لاوے کی چٹانوں سے منعکس ہو کر نیچے تک پھیلی ہوئی آ رہی تھی۔

''البرٹ کیا تم کنگس اسٹریٹ والے ہمارے چھوٹے سے مکان میں کبھی اتنے پرسکون انداز سے سوئے ہو؟ یہاں شہر کا شور و غل بھی نہیں ہے۔'' چچا نے کہا۔

''شور اس لیے نہیں ہے کہ ہم بہت نیچے آ چکے ہیں، مگر یہاں ڈر بھی لگ رہا ہے۔''

''اگر تم ابھی سے اتنے خوف زدہ ہو تو بعد میں تمھارا کیا حال ہوگا؟'' چچا جان چیخے۔ ''یہاں صرف انتیس انچ کا دباؤ ہے۔ یہ سرنگ سطح سمندر تک ہی پہنچتی ہے ابھی اس سے نیچے ہم گئے ہی نہیں ہیں۔ ہاں اب یہ بتاؤ کہ وہ بنڈل کہاں ہے جو ہانس نے نیچے پھینکا تھا؟''

وہ رہا۔' ہانس نے اشارہ کر کے بتایا۔ بنڈل تقریباً سو فٹ اوپر ایک چٹان میں پھنسا ہوا تھا۔ وہ بلی کی طرح وہاں گیا اور جا کر اسے اٹھا لایا۔

''ٹھیک ہے۔'' چچا نے کہا ''آؤ اب ناشتہ کریں، مگر یہ یاد رکھنا ہے کہ ابھی ہمیں ایک طویل سفر کرنا ہے۔''

ہمارے ناشتے میں بسکٹ اور گوشت کے ٹکڑے تھے، لیکن صرف چند ایسے جنھیں ہم نے پانی کے ساتھ حلق سے اتار لیا۔ پھر میرے چچا نے اپنی جیب سے ایک نوٹ بک نکالی اور ایک کے بعد دوسرے آلے کو دیکھ کر معلومات درج کرنا شروع کر دیں۔

29 جون بروز پیر

وقت: صبح آٹھ بج کر 17 منٹ

دباؤ: 29 انچ

درجۂ حرارت: 6 درجہ سینٹی گریڈ

سمت: مشرق۔ جنوب، مشرق

چچا جان نے گذشتہ رات جن اندھیری سرنگوں کی طرف اشارہ کیا تھا اور جن کا حوالہ دیا تھا قطب نما بھی وہی سمت بتا رہا تھی۔

''اور اب البرٹ!'' پروفیسر نے خوش ہو کر کہا ''ہم واقعی نیچے اتریں گے۔ حقیقت میں یہ ٹھیک وہ وقت ہے جب یہاں سے ہمارا سفر شروع ہوتا ہے۔''

یہ کہنے کے بعد اس نے دو بیٹریوں والے لیمپ روشن کیے اور ان میں سے ایک ہانس کے ہاتھ میں دے دیا۔ اب ہمیں راستہ صاف دکھائی دے رہا تھا اور ہم اس قابل ہو گئے تھے کہ دیر تک سفر کر سکیں۔

''آگے بڑھو۔'' چچا نے اونچی آواز میں کہا۔

ہم میں سے ہر ایک نے اپنا اپنا تھیلا اٹھایا ہوا تھا۔ میرے چچا کپڑوں اور رسیوں کے تھیلوں کو دھکیلتے ہوئے ہانس کے پیچھے سرنگ میں داخل ہو گئے۔ میں نے سر اٹھا کر آخری بار سرنگ کے بالائی حصے کی طرف دیکھا جہاں سے آئس لینڈ کا آسمان نظر آ رہا تھا، مجھے معلوم تھا کہ اب میں اسے دوبارہ کبھی نہیں دیکھ سکوں گا۔

سرنگ میں پینتالیس درجے کی ڈھلان تھی۔ 1229 میں یہ آتش فشاں آخری بار پھٹا تھا اور اس نے لاوا اگلا تھا۔ اب اس لاوے نے خشک ہو کر زینوں کی شکل اختیار کر لی تھی جس پر قدم

رکھتے ہوئے ہم آگے بڑھ رہے تھے۔ اس لاوے سے ہمارے بجلی کے لیمپوں کی روشنی بھی منعکس ہو رہی تھی، سرنگ کی چھت اور دیواروں پر اس روشنی سے عجیب و غریب رنگین شکلیں بن رہی تھیں۔ ایسا محسوس ہوتا تھا جیسے یہ خوبصورت جگمگاہٹ ہمارا استقبال کر رہی ہے۔

"کس قدر حیرت انگیز منظر ہے۔" میں نے کہا "چچا جان دیکھیے تو سہی۔ کیا آپ لاوے سے پھوٹنے والے رنگوں اور سرنگ کی چھت پر بننے والی شکلوں کی تعریف نہیں کریں گے؟"

"البرٹ مجھے خوشی ہے کہ تم نے اس جگہ کو پسند کرنا شروع کر دیا ہے۔ آگے جا کر تمھیں اس سے بھی خوب صورت مناظر دیکھنے کو ملیں گے۔ چلو آگے بڑھو۔"

چلنے کی بجائے اسے پھسلنا کہنا زیادہ مناسب ہوگا۔ اس لیے کہ ہم اس ڈھلان پر مسلسل پھسل رہے تھے۔ میرے ہاتھ میں قطب نما تھا اور نگاہ اس پر جمی ہوئی تھی، اس کی سوئی مسلسل جنوب مشرق کی طرف اشارہ کر رہی تھی۔

سرنگ میں بڑھنے پر یہ اطمینان ہوا کہ اس کا درجہ حرارت نہیں بڑھ رہا تھا۔ میں تھرمومیٹر کی طرف دیکھ رہا تھا۔ ہمیں سرنگ میں داخل ہوئے دو گھنٹے گزر چکے تھے مگر درجہ حرارت 10 سینٹی گریڈ تک ہی پہنچا تھا۔ اس سے میں نے یہ اندازہ لگایا کہ ہماری سفر عمودی کی بجائے افقی ہے یعنی ہم نیچے جانے کے بجائے سیدھے چل رہے ہیں۔ بہرحال حقیقت تو پروفیسر ہی کو معلوم ہوگی اس لیے کہ وہ آلو سے تمام چیزوں کی پیمائش کر رہے تھے۔

شام کو تقریباً آٹھ بجے انھوں نے ہمیں رکنے کا حکم دیا۔ ٹھہرنے کا یہ حکم میرے کانوں کے لیے موسیقی کا درجہ رکھتا تھا، اس لیے کہ سات گھنٹوں سے ہم مسلسل چل رہے تھے اور ایک لمحے کے لیے بھی نہیں رکے تھے۔ ہانس نے لاوے کے ایک بلاک پر کھانا سجایا تو ہم سب نے رغبت سے کھالیا۔

ہم اس وقت ایسی جگہ تھے جسے ایک قسم کا غار کہا جا سکتا ہے جہاں ہوا کی کوئی کمی نہیں ہوتی۔ میں اتنا تھکا ہوا تھا کہ کچھ سوچنا نہیں چاہتا تھا، مگر ایک خیال مجھے پریشان کر رہا تھا کہ ہم پانی کہاں سے حاصل کریں گے۔ چچا کو یہ توقع تھی کہ ہمیں زیر زمین چشمہ مل جائے گا لیکن ابھی تک ایسا کوئی چشمہ نہیں ملا تھا!

"ہمارے پاس پانی کا جو ذخیرہ ہے وہ صرف پانچ روز تک چل سکے گا۔" میں نے انھیں بتایا۔

"البرٹ اس کی پروا نہ کرو۔ جب ہم اس لاوے کی جگہ سے گزر جائیں گے تو ہمیں اپنی ضرورت سے زیادہ پانی مل جائے گا۔"

"مگر لاوا تو بہت دور تک پھیلا ہوا ہے۔ میرا خیال ہے کہ ہم لوگ ابھی زیادہ نیچے تک نہیں پہنچے ہیں۔"

"تم نے یہ اندازہ کیسے لگایا؟"

"اگر ہم افقی سمت میں بڑھنے کے ساتھ گہرائی میں بھی جاتے تو گرمی کا احساس ہوتا۔"

"یہ محض تمھارا خیال ہے۔" چچا نے جواب دیا "یہ دیکھو کہ تھرمومیٹر کیا کہتا ہے؟"

"پندرہ درجے۔ اس کا مطلب یہ ہوا کہ ہم جب سے سرنگ میں داخل ہوئے ہیں حرارت صرف 9 درجے بڑھی ہے۔"

"زیر زمین حرارت کے متعلق یہ خیال کیا جاتا ہے کہ ہر ایک سو پچیس فٹ کے بعد ایک درجہ بڑھ جاتا ہے۔ اس سے حساب لگا لینا چاہیے۔"

"ہاں میرے بچے حساب لگاؤ۔" چچا جان بولے۔

''ایک منٹ ٹھہریے'' میں نے کہا اور اپنی نوٹ بک میں چند اعداد و شمار لکھے 'ایک سو پچیس کو اگر نو سے ضرب دیا جائے تو حاصل ضرب گیارہ سو پچیس ہوا۔ اس کا مطلب یہ ہے کہ ہم گیارہ سو پچیس فٹ نیچے پہنچ چکے ہیں۔''

''جبکہ میں نے یہ تجزیہ کیا ہے کہ ہم سطح سمندر سے دس ہزار فٹ نیچے جا چکے ہیں۔''

''ناممکن!'' میں نے بے اختیار کہا۔

''سو فیصد ممکن ہے، ورنہ پھر اعداد و شمار مذاق بن کر رہ جائیں گے۔'' انھوں نے کہا۔ ان کا حساب درست تھا۔ ہم دنیا کی گہری ترین سرنگ کے مقابلے میں چھ ہزار فٹ نیچے جا چکے تھے۔ اس طرح سے ہمیں اسی درجے سینٹی گریڈ کا سامنا کرنا چاہیے تھا مگر درجہ حرارت پندرہ تھا جو حیرت کی بات تھی!

دوسرے روز 30 جون کو صبح چھ بجے ہم نے پھر لاوے کی سرنگ میں سفر شروع کیا۔ اب ڈھلان کسی قدر کم تھی۔ بارہ بج کر سترہ منٹ پر ہانس ٹھہر گیا۔

''آوا'' میرے چچا نے گہری سانس لے کر کہا۔ ''اب ہمیں ایک فیصلہ کرنا پڑے گا۔''

میں نے چاروں طرف نظر دوڑائی تو معلوم ہوا کہ سرنگ آگے جا کر دو راستوں میں تقسیم ہوگئی ہے اور دونوں راستے یکساں طور پر تنگ اور تاریک ہیں۔ یہ فیصلہ کرنا دشوار تھا کہ ہمیں کون سا راستہ اختیار کرنا چاہیے۔

چچا ایک لمحے کے لیے بھی نہیں ہچکائے اور انھوں نے مشرقی راستے کی طرف اشارہ کر دیا۔ تھوڑی دیر بعد ہم تینوں اس میں داخل ہو چکے تھے۔ وہاں ڈھلان قدرے کم ہوگئی تھی۔ بعض اوقات سرنگ کشادہ ہو جاتی اور ہمیں ایسی اونچی اونچی محرابیں دکھائی دینے لگتیں جیسی کہ چرچ میں ہوتی ہیں۔ کہیں کہیں وہ اتنی نیچی ہو جاتی کہ ہمیں جھکنا پڑتا یا پھر تقریباً رینگنا پڑتا۔

موسم اب تک خوش گوار اور آرام دہ تھا، مگر جب لاوا اس سرنگ سے نکل رہا ہوگا تو یہاں کا درجہ حرارت کس قدر بڑھ گیا ہوگا؟

''مجھے امید ہے کہ جب تک ہم لوگ اس سرنگ میں ہیں اس آتش فشاں کو نہیں پھٹنا چاہیے۔'' میں نے سوچا۔ میں نے اپنے خیالات سے چچا بروک کو آگاہ نہیں کیا۔ اس لیے کہ وہ میرے خوف اور اندیشوں کو محسوس نہیں کر سکتے تھے۔ ان کے دماغ میں یہ خیال بسا ہوا تھا کہ انھیں آگے بڑھنا چاہیے۔

شام کے چھ بجے تک جبکہ دن روشن اور صاف تھا ہم نے جنوب کی طرف تقریباً پانچ میل سفر طے کیا، مگر ہم مشکل ہی سے چوتھائی میل نشیب میں گئے ہوں گے۔ چچا نے ہدایت کی کہ ہم ٹھہر جائیں۔ کھانے کے دوران ہم نے زیادہ گفتگو نہیں کی اور دماغ پر کوئی بوجھ رکھے بغیر سو گئے۔ رات کو سونے کے لیے ہمارا انتظام بہت سادہ تھا۔ ہم میں سے ہر ایک کے پاس ایک کمبل تھا، جسے ہم اپنے چاروں طرف لپیٹ لیا کرتے تھے۔ اس کے بعد ہمیں سردی نہیں لگتی تھی اور کسی چیز سے خوف بھی محسوس نہیں ہوتا تھا۔

دوسرے روز ہم جب بیدار ہوئے تو ہم نے خود کو تازہ دم اور ہشاش بشاش محسوس کیا، اس کے بعد ہم نے اپنا سفر پھر شروع کر دیا۔ وہ راستہ جس میں ہم لوگ سفر کر رہے تھے اب بالکل عمودی ہوتا جا رہا تھا، مگر دس بجے کے قریب چڑھائی شروع ہوگئی اس لیے ہمارے سفر کرنے کی رفتار سست پڑ گئی۔

''کیا بات ہے البرٹ؟'' پروفیسر نے فکرمندی سے پوچھا۔

''میں تھک گیا ہوں۔''

''کیا؟'' ہم نشیب میں جا رہے ہیں تو تم تھکن محسوس

کر رہے ہو؟''

''معاف کیجیے گا چچا جان آپ کا مطلب ہے کہ ہم اوپر جا رہے ہیں۔ ڈھلان طے کرکے ہم آدھا گھنٹہ پہلے چڑھائی پر آچکے ہیں۔ اگر ہمارا سفر یونہی جاری رہا تو ہم پھر سطح پر پہنچ جائیں گے۔''

پروفیسر نے نفی میں سر ہلایا جیسے وہ کوئی بات سننا نہ چاہتے ہوں۔ میں مزید کچھ کہنا چاہتا تھا، لیکن انھوں نے اشارہ کیا کہ میں چلتا رہوں۔ میں تیز قدمی سے ہانس کے پیچھے چلنے لگا جو چچا کے پیچھے تھا۔ ان لوگوں سے بچھڑنا میرے لیے عذاب ہوتا۔

دوپہر کے وقت اس راستے کی دیواریں تبدیل ہونا شروع ہوگئیں۔ لاوے کی جگہ ٹھوس پرس دار چٹانیں آگئیں۔ اب گرینائٹ ختم ہو رہا تھا۔ میں نے اندازہ لگایا کہ ہم غلط راستے پر جا رہے ہیں۔

''یہ دیکھیے!'' میں نے چچا کو اس طرف توجہ دلائی کہ یہاں مختلف انداز کی چٹانیں ہیں۔

''ہوں کیا بات ہے؟''

''ہم اس زمانے کی چٹانوں میں پہنچ چکے ہیں جب جانوروں اور پودوں نے جنم لیا تھا۔''

میرا خیال تھا کہ پروفیسر اپنے لیمپ سے دیواروں کا مشاہدہ کریں گے اور پھر حیران ہوں گے، مگر انھوں نے ایک لفظ بھی نہیں کہا اور مسلسل چلتے رہے۔

کیا وہ میری بات سمجھ چکے تھے؟ اور وہ اس بات سے انکار کر رہے تھے کہ ہم راستہ نہیں بھولے ہیں؟ یہ واضح تھا کہ ہم نے لاوے والا راستہ چھوڑ دیا ہے اور یہ نیا راستہ ہمیں سنیفلز کے لاوا اگلنے والے منبع تک نہیں لے جاسکتا مگر یہ بھی ممکن تھا کہ میرا اندازہ غلط ثابت ہوتا۔

میں نے سوچا اگر میں درست ہوں تو جلد ہی پرانے درختوں کے نمونے چٹانوں پر ملیں گے اس لیے مجھے اپنی آنکھیں کھلی رکھنی چاہئیں۔

تقریباً سو گز کا فاصلہ طے کرنے کے بعد مجھے وہ ثبوت مل گئے جس کی مجھے تلاش تھی۔ ہم اب لاوے پر نہیں چل رہے تھے بلکہ ایسی مٹی پر چل رہے تھے جس میں پودوں اور جانوروں کے ڈھانچے شامل تھے۔ پروفیسر بروک نے بھی اس تبدیلی کو محسوس کیا ہوگا مگر وہ کچھ نہیں بولے اور خاموش رہے۔

میں اس صورت حال کو برداشت نہ کرسکا۔ میں نے ایک جانور کا مکمل ڈھانچہ اٹھایا اور بھاگ کر چچا کے پاس گیا اور انھیں دکھانے لگا۔ ''یہ دیکھیے۔'' میں نے کہا۔

''ہاں البرٹ یہ کسی جانور کا ڈھانچہ ہے۔ ہم گرینائٹ اور لاوا کے راستے سے دوسرے راستے پر آچکے ہیں۔ ممکن ہے مجھ سے کوئی غلطی ہوئی ہو مگر جب تک ہم اس سرنگ کے آخری حصے میں نہیں پہنچ جائیں گے اس وقت تک مجھے یقین نہیں آئے گا۔''

''میں سمجھ گیا چچا جان کہ ہمیں سفر جاری رکھنا چاہیے تاوقتیکہ ہمیں کسی پریشانی کا سامنا نہ کرنا پڑے۔'' میں نے کہا۔

''کیسی پریشانی؟''

''پانی کی کمی۔''

''البرٹ، ایسی صورت میں ہمیں پانی کم پینا چاہیے۔'' وہ بولے۔

■

(جاری)

ماخذ: زمین کی تہہ میں (جولز ورنے کے ناول کا ترجمہ)، مترجم: شکیل صدیقی، ناشر: مکتبہ جامعہ لمیٹڈ، نئی دہلی، اشتراک: قومی کونسل برائے فروغ اردو زبان، نئی دہلی

بڑے لوگ بڑی باتیں

مہاتما بدھ

انسانی زندگی دکھوں سے بھری پڑی ہے۔ اگر ان سے چھٹکارہ چاہتے ہو تو گیان میں دل لگاؤ۔

سکھ حاصل کرنا چاہتے ہو تو مطمئن رہو کیونکہ اطمینان سب سے بڑا سکھ ہے۔

اچھے لوگوں کی نشانی خوش کلامی ہے۔ بدکلامی تو جانوروں تک کو پسند نہیں آتی۔

نفرت کو محبت سے کم کرو، کیونکہ نفرت نفرت سے کبھی کم نہیں ہوتی۔

لگن سے علم حاصل کرو۔ لگن کی کمی سے علم کھو جاتا ہے۔

انسانوں کی خدمت کرنا اور وہ بھی بے لوث انسانیت کی معراج ہے۔

گناہ سرزد ہو جائے تو نہ اسے دہراؤ نہ چھپاؤ۔ گناہوں کا اندوختہ ہی تمام دکھوں کی بنیاد ہے۔

کسی بے جان دیوتا کے آگے سو سال عبادت کرنے سے بہتر ہے کہ چند لمحے کسی پرہیزگار کی صحبت میں گزار لو۔

بھگت کبیر

خدا کی محبت اور انسان دوستی میں ذریعہ نجات ہے۔

کسی پر زبردستی کرنا ظلم ہے۔ ایسا مت کر۔ ایسا کرنے والوں کو جواب دینا پڑے گا۔

خدا نے نور پیدا کر کے اپنی قدرت کاملہ سے ساری مخلوق بنائی اور ایک ہی نور سے بنائی۔ ایسے میں ہم کسی کو کمتر یا بڑا کس طرح کہہ سکتے ہیں۔

بھرتری ہری

جس طرح چاند اپنے آپ ہی چاندنی پھیلا دیتا ہے، سورج خود بخود کنول کے پھول کھلا دیتا ہے۔ اسی طرح نیک انسان بھی اپنے آپ دوسروں کی بھلائی کے کام کرتا ہے۔

اچھی عورت وہ ہے جس سے آرام ملے۔ اچھا دوست وہ ہے جس پر اعتماد ہو، اچھا بیٹا وہ ہے جو ماں باپ کا فرماں بردار ہو۔

دولت صرف اپنی حفاظت اور مصیبت دور کرنے کے لیے جمع کرنا چاہیے۔

عقل مند کے ساتھ خطرے میں کود جانا بے وقوف کے ساتھ سیر کو نکل جانے سے بہتر ہے۔

بغیر علم والے لوگ، بغیر ہنر اور خوبی والے لوگ اور وہ لوگ جنھوں نے روحانی ترقی بھی نہ کی زمین پر بوجھ ہیں اور وہ صرف خام آدمی ہیں۔

تلسی داس

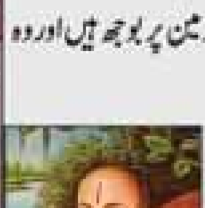

مصیبت سب سے بڑی کسوٹی ہے جس پر دوست یار پرکھے جا سکتے ہیں۔

اگر ہم خود بھی دوسروں کو کی جانے والی نصیحتوں پر عمل کریں تو کچھ نہ کچھ بن جائیں۔

نفس کے چکر میں پڑ کر انسان سب کو بھلا دیتا ہے۔

بابا گرونانک جی

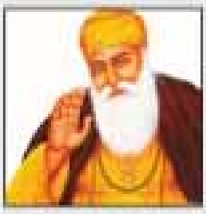

نیکی میرا مذہب ہے۔

اے جاہل نادان! اپنے نسب پر غرور نہ کر، اس کے نتائج بہت برے ہیں۔

جو دوسروں سے کینہ و نفرت رکھتا ہے۔ اس کا دل بھی صاف نہیں ہو سکتا۔ وہ دن رات چاہے جتنے بھی کام کرے انھیں چین نہیں ملتا۔

ہندو اور مسلم ایک ہی خدا کے بندے ہیں۔

سب سے بہتر وراثت جو آئندہ نسلوں کے لیے چھوڑی جاسکتی ہے وہ اچھا چال چلن بلند کردار ہے۔

جو گناہ کا مرتکب ہو اسے آدمی سمجھو، جو گناہ کر کے نادم و پریشان ہو، اسے ولی سمجھو اور جو گناہ کر کے اترائے اسے شیطان سمجھو۔

اے بھائی! دوسروں کا برا چاہنا چھوڑ دے۔

اگر دل میلا ہے تو سب کچھ ناپاک ہے۔ جسم دھونے سے دل پاکیزہ نہیں ہوتا۔

گاندھی جی

تھوڑا سا جھوٹ بھی انسان کو ملیامیٹ کر دیتا ہے، جیسے ایک گڑا ہی دودھ کو ایک بوند زہر۔

عورت کی کتاب دنیا ہے، وہ کتابوں سے اتنا نہیں سیکھتی جتنا دنیا سے سیکھتی ہے۔ مرد کتابیں پڑھتے ہیں۔ عورت دنیا کا مطالعہ کرتی ہے۔

مجھے جو خدا بھگوت گیتا میں نظر آتا ہے، وہی انجیل مقدس اور قرآن مجید میں بھی نظر آتا ہے۔

جرم انسان کے چہرے پر لکھا ہوتا ہے۔ نفرت جرم سے کرنا چاہیے۔ مجرم سے نہیں۔

انسانی بہتری کے لیے نت نئے کرم کرتے رہنا سب سے بڑا دھرم ہے۔

جواہر لعل نہرو

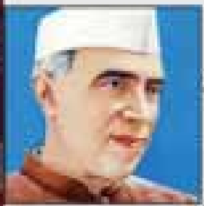

عمل کے بغیر اصول ذہنی عیاشی ہے اور اصول کے بغیر عمل اندھے کی ٹٹول ہے۔

سچی بات تو یہ ہے کہ میں کسی کو ناپسند نہیں کرتا، کیونکہ بہر حال وہ کسی کی پسند ہے۔

جس گھر میں عورت دکھی رہتی ہے وہ گھر تباہ ہو جاتا ہے۔

ہر وہ فعل جس کا انجام اچھا اور دل کو سکون دینے والا ہو دھرم ہے۔

سوامی دیانند

جھوٹ دوسروں کو خوش کرنے کے لیے بھی نہ بولو۔

انسان کو نفس پرستی سے بری ہونا چاہیے۔

انسان اپنے آپ کو باندھنے کے لیے اپنے ہی ہاتھوں سے زنجیریں تیار کرتا ہے۔

مقصد کی سچی لگن مشکلات میں بھی مایوس نہیں ہونے دیتی۔

■

بشکریہ: اقوال زریں، اقبال سائبر لائبریری نیٹ

تنویر اختر رومانی

نمک ستیہ گرہ

نمک ستیہ گرہ مہاتما گاندھی کے ذریعہ چلائی گئی خاص تحریکوں میں سے ایک تھی۔ 12 مارچ 1930 کو گاندھی جی نے احمد آباد کے پاس قائم سابرمتی آشرم سے ڈانڈی گاؤں تک چوبیس دنوں کا پیدل مارچ نکالا تھا۔ انھوں نے وہ مارچ نمک پر برطانوی حکومت کی اجارہ داری (Monopoly) کے خلاف نکالا تھا۔ عدم تشدد (اہنسا) کے ساتھ شروع ہوا یہ مارچ برطانوی حکومت کے خلاف بغاوت کا بگل بن کر ابھرا۔ اس دور میں برطانوی حکومت نے چائے، کپڑا یہاں تک کہ نمک جیسی چیزوں پر اپنی اجارہ داری قائم کر رکھی تھی۔ اس وقت ہندوستانیوں کو نمک بنانے کا اختیار حاصل نہیں تھا۔ انگلینڈ سے آنے والے نمک کے لیے ہندوستانیوں کو کئی گنا زیادہ قیمت چکانی پڑتی تھی۔ باپو کے اس ستیہ گرہ کو ڈانڈی مارچ کے نام سے بھی جانا جاتا ہے۔

ستیہ گرہ کے لیے نمک ہی کیوں؟

جب گاندھی جی نے اس تحریک کو لے کر اپنے ساتھیوں کو اپنا منصوبہ بتایا تو ان کے قریبی ساتھی بھی پوری طرح راضی نہیں تھے۔ سبھی کا کہنا تھا کہ آخر ستیہ گرہ کے لیے نمک ہی کیوں؟ کئی لیڈروں کا ماننا تھا کہ نمک ٹیکس کا معاملہ اتنا اہم نہیں ہے اور اس کی وجہ سے زیادہ اہم معاملات جیسے مکمل آزادی سے لوگوں کا دھیان بھٹک جائے گا۔ لیکن ان کے اندیشے تب ختم ہو گئے جب عام لوگوں کی جانب سے جگہ جگہ ڈانڈی مارچ کا استقبال کیا گیا۔ نمک گاندھی جی کے لیے بڑی پہچان ثابت ہوا۔ چونکہ نمک انسان کی خوراک کا اہم اور بنیادی حصہ ہے اس لیے نمک ٹیکس کے معاملے کو اٹھا کر گاندھی جی نے حکومت کی بے رحمی کو اجاگر کر دیا تھا۔

انوکھا تھا یہ ستیہ گرہ

ڈانڈی مارچ کرنے والے لوگوں کے ہاتھ میں ایک بھی

تختی یا جھنڈا تک نہیں تھا۔ یہ مارچ لوگوں کو بیدار کرنے کا ایک مضبوط واسطہ بنا۔ گاندھی جی کے اس مارچ کو اخبارات میں بھی بڑی پذیرائی ملی، جس نے پورے ملک میں آزادی کی لہر دوڑا دی۔ اس ستیہ گرہ نے انگریزی حکومت کو ہلا کر رکھ دیا تھا اور دنیا میں تجسس جگا دیا تھا۔ گاندھی جی کے بعد پورے ملک میں لوگوں نے نمک بنانا شروع کر دیا تھا۔ اس دوران گاندھی جی کی گرفتاری نے لوگوں کو سڑکوں پر اترنے پر مجبور کر دیا تھا۔ اس کے بعد آنے والے دنوں میں جم کر گرفتاری کی گئی۔

پورے دیش کو متحد کر دیا تھا

ہندوستانی ساحل سمندر پر نمک آسانی سے بنایا جا سکتا تھا۔ لیکن کسی بھی ہندوستانی کو نمک بنانے کی اجازت نہیں تھی۔ اس معاملے نے پورے دیش میں ذات پات، نسل، زبان اور علاقے کی بھی دیواریں توڑ دیں۔ یہ ان ہندوستانی خواتین کے لیے بھی ایک بڑا معاملہ تھا، جو اپنے پریوار کا پیٹ بھرنے کے لیے جد و جہد کر رہی تھیں۔ گاندھی جی کی قیادت میں 240 میل لمبا مارچ، ڈانڈی کے ساحل سمندر تک پہنچا، جہاں انھوں نے کھلے عام نمک بنا کر نمک قانون کو توڑا تھا۔ اس دوران انھوں نے سمندر کے کنارے کھلی دھوپ میں قدرتی نمک اٹھا کر اس کا Crystalisation کیا۔ یعنی اسے دانے دار نمک کی شکل میں بنایا۔ ان کے ساتھ 79 حامیوں نے بھی مارچ کیا تھا، جن کی ہمت دیکھ کر ہندوستانی عوام نے بحر عرب کے ساحل پر ڈانڈی تک کے راستے میں ان کی پوری حوصلہ افزائی کی تھی۔

■

Tanweer Akhtar Roomani
At & P.O: Azadnagar
Jamshedpur - 832110 (Jharkhand)

جوابات

انصاری سعود احمد مختار احمد

جنرل نالج (معلومات)

(1) پرندوں میں سب سے زیادہ عمر کوے کی ہوتی ہے۔

(2) گیکو ایک ایسا جانور ہے جس کے دانت اس کے پیٹ میں ہوتے ہیں۔

(3) ٹڈی ایک ایسا پرندہ ہے جو اپنے وزن کے برابر کھا کر بھی بھوکا رہتا ہے۔

(4) چمگادڑ ایک ایسا جانور ہے جو اڑتا بھی ہے اور دودھ بھی دیتا ہے۔

(5) مینڈک ایسا جانور ہے جو 6 ماہ جاگتا اور 6 ماہ سوتا ہے۔

(6) شکرا ایک ایسا جانور ہے جو ہوا میں ساکت ہونے کی صلاحیت رکھتا ہے۔

(7) مکڑی اپنے جال میں اس لیے نہیں پھنستی کیونکہ اس کے پاؤں میں ایک خاص قسم کی چکناہٹ ہوتی ہے۔

(8) ہاتھی کے دماغ کا وزن 11 پونڈ ہوتا ہے اور رفتار 30 میل فی گھنٹہ ہوتی ہے۔

(9) کچھوا ایک منٹ میں 4.6 میٹر فاصلہ طے کرتا ہے جبکہ ہرن ایک گھنٹے میں 60 میل کا فیصلہ طے کرتی ہے۔

10) نر مچھر کی زندگی عموماً 9 دن اور مادہ مچھر کی زندگی تقریباً 30 دن ہوتی ہے۔

(11) انسان کے جسم کے دو حصے ناخن اور بال ایسے تھے جو مرنے کے بعد بھی کچھ دیر تک بڑھتے رہتے ہیں اور آنکھیں 72 گھنٹے تک محفوظ رکھی جا سکتی ہے۔

(12) ناخن اور بال کاٹتے وقت ہمیں تکلیف اس لیے نہیں ہوتی کہ اس میں حساس خلیے نہیں ہوتے۔

(13) دنیا میں پہلا آنکھوں کا ہسپتال ماسکو (روس) میں بنایا گیا۔

(14) ہاتھ گھڑی 1790 میں ایجاد ہوئی۔

(15) ہوائی جہاز دو بھائیوں آرویل رائٹ اور ولبر رائٹ نے 1903 میں ایجاد کیا۔

(16) T.V پر پہلی بار رنگین تصویر 1928 میں دکھائی گئی۔

(17) انسانی دماغ میں 90% پانی ہوتا ہے۔

(18) عام ماچس کی تیلی کا جلتے وقت درجۂ حرارت 600 ڈگری فارن ہائیٹ ہوتا ہے۔

(19) سیارے زمین سے تقریباً 35600km کی بلندی پر ہوتے ہیں۔

(20) دودھ دینے والے جانوروں میں سب سے کم دودھ ہاتھی دیتا ہے۔

■

Ansari Saud Ahmad Mukhtar Ahmad
XII Class, Mohammadia Boys Urdu High School & Junior College of Science
Dhule(Maharashtra)

نوشین بانو محمد انیس باغوان

چمکتے موتی

- سچائی ایسی دوا ہے جس کی لذت کڑوی مگر تاثیر شہد سے زیادہ میٹھی ہوتی ہے۔
- وقت، ہوا اور دولت ہمیشہ بدلتے رہتے ہیں۔
- اچھے وقت سے زیادہ اچھا دوست عزیز رکھو کیونکہ اچھا دوست برے وقت کو بھی اچھا بنا دیتا ہے۔
- ہزار غلطیوں کے باوجود آپ اپنے آپ سے پیار کرتے ہو تو پھر کیوں کسی کی ایک غلطی پر اس سے اتنی نفرت کرتے ہو۔
- شیر چھلانگ مارنے کے لیے ایک قدم پیچھے لیتا ہے اس لیے جب زندگی آپ کو پیچھے ڈھکیلتی ہے تو کمر کس لو زندگی آپ کو ایک اونچی چھلانگ دینے کے لیے تیار ہے۔ دعاؤں کا رنگ نہیں ہوتا لیکن دعا جب رنگ لاتی ہے تو زندگی میں رنگ بھر جاتے ہیں۔
- ماں باپ ہمیں شہزادوں کی طرح پالتے ہیں اس لیے ہمارا فرض ہے کہ بڑھاپے میں ہم بھی انھیں بادشاہوں کی طرح رکھیں۔
- جھوٹ کا بھی ایک ذائقہ ہوتا ہے۔ خود بولو تو میٹھا لگتا ہے اور کوئی دوسرا بولے تو کڑوا لگتا ہے۔
- کسی کا عیب تلاش کرنے والے کی مثال اس مکھی کی طرح ہے جو سارا خوبصورت جسم چھوڑ کر صرف زخم پر ہی بیٹھتی ہے۔
- اگر مٹانا چاہتے ہو تو تکبر کو مٹاؤ۔
- اگر لینا چاہتے ہو تو بزرگوں کی دعائیں لو۔
- اگر مانگنا چاہتے ہو تو خدا سے مانگو۔

■

Naushin Bano Mohd Anis
lodhya Jin, Pachora
Distt Jalgaon - 424201 (Maharashtra)

شیخ عاطف اسلم

مشکلات کا سامنا کریں

- مصائب سے مت گھبرائیں کیونکہ ستارے اندھیرے میں چمکتے ہیں۔
- مصیبت میں پریشانی اور بے چینی مصیبت کو دگنا کر دیتی ہے۔
- جو شخص چھوٹی مصیبتوں کو برا سمجھتا ہے اللہ تعالیٰ اس کو بڑی مصیبتوں میں مبتلا کر دیتا ہے۔
- مصیبتیں ہم کو پریشان کرنے کے لیے نہیں بلکہ ہمیں جگانے کے لیے آتی ہیں۔
- زندگی کی مصیبتیں ہلکی کرنا چاہتے ہو تو گناہ نہ کرو۔
- جو شخص مصیبت کا بوجھ خوش اسلوبی سے اٹھا سکتا ہے وہی سب سے بہتر کام کر سکتا ہے۔
- اپنی نیکیوں کے لیے پوشیدہ جگہ بناؤ جیسے برائیوں کے لیے بناتے ہو۔
- جو مصیبت ہمیں اللہ کی طرف متوجہ کر دے وہ مصیبت نہیں رحمت ہے۔
- اور جو نعمت تمھیں اللہ سے غافل کر دے وہ نعمت نہیں مصیبت ہے۔
- موت آنے سے پہلے نیک کام کو غنیمت جانو۔
- قلب پر اکثر آفتیں آنکھ کے راستے آتی ہیں۔
- تم جس سے نفرت کرتے ہو اس سے ہوشیار رہو۔
- نیک بات دوستوں کو پہنچاؤ اور مخالفوں سے بحث مت کرو۔
- خلا ہمیشہ سنتا ہے اگر انسانوں کے دل گونگے نہ ہوں۔
- برائیوں کا اقرار نیکیوں کا آغاز ہے۔

■

Shaikh Aatif Aslam
Nida Urdu High School
Udgir, Distt Latur - 413517 (Maharashtra)

صدیقی نصرت

عقل مندی

ایک رات کسی بڑے طاقتور چور نے رستم کے اصطبل سے اس کا گھوڑا چرا لیا۔ اگرچہ رستم اس وقت جاگ رہا تھا مگر اس کا خیال تھا کہ میرے منہ زور گھوڑے پر کوئی سوار نہیں ہو سکتا۔ اس لیے چپ چاپ تماشا دیکھتا رہا لیکن جب چور گھوڑے پر سوار ہو کر اسے باہر لے گیا تو رستم خاموش نہ رہ سکا۔ گھر سے نکل کر وہ دوڑ لگائی کہ چور کے سر پر جا بیٹھا اور چھلانگ لگا کر گھوڑے کی پیٹھ پر سوار ہو گیا مگر بہادر چور نہ ڈرا اور نہ کچھ گھبرایا۔ بڑھے بے تکلفی سے پوچھنے لگا کہ تم کون ہو؟ رستم نے چور کو اتنا نڈر دیکھا تو چپکے سے اسے پانچ سات زور کے مکے لگا دیے مگر چور انھیں بھی کچھ نہ سمجھا اور کہا بھی تو یہ کہ ارے میاں! یہ کیا مسخرہ پن ہے۔ آرام کے ساتھ کیوں نہیں بیٹھتے؟

چور کی زبان سے یہ فقرہ سن کر رستم کے اور بھی اوسان خطا ہو گئے کہ جو شخص میرے گھونسوں کو مسخرہ پن کہتا ہے وہ کشتی سے کب زیر ہوگا۔ پس یہاں کچھ اور ہی داؤں کھیلنا چاہیے۔ یہ سوچ کر رستم نے گھبرائی ہوئی آواز میں کہا۔ لو دوست! میں تو چلا، وہ دیکھو گھوڑے کا مالک رستم آ رہا ہے۔ یہ سنتے ہی چور فوراً گھوڑے سے کود پڑا اور رستم گھوڑا لے کر گھر پہنچ گیا۔ واقعی بعض وقت نام بھی بڑا کام دے جاتا ہے مگر نام بھی بغیر کام کے نہیں بنتا۔

■

Siddique Nusrat
Nida Urdu High School
Udgir, Distt Latur - 413517 (Maharashtra)

انصاری صنوبر بانو مختار احمد

اقوالِ زرّیں

(1) بہترین انسان عمل سے پہچانا جاتا ہے ورنہ اچھی باتیں تو دیوار پر بھی لکھی جاتی ہیں۔

(2) سب انسان ایک جیسے نہیں ہوتے۔ بہت فرق ہوتا ہے کوئی زندگی کو گزارتا ہے اور کسی کو زندگی گزار دیتی ہے۔

(3) نفس وہ گھوڑا ہے، جس پر انسان قابو پا لے تو دنیا اس کے قدموں میں ہوتی ہے۔

(4) سچائی ایسی دوا ہے، جس کی لذت کڑوی مگر تاثیر شہد سے زیادہ میٹھی ہوتی ہے۔

(5) جو بات دشمن سے پوشیدہ رکھنا چاہتے ہو اسے دوستوں سے بھی چھپا کر رکھو ہو سکتا ہے کبھی وہ بھی تمہارا دشمن بن جائے۔

(6) انسان کی حقیقت ان چیزوں میں نہیں ہے جو وہ ظاہر کرتا ہے بلکہ ان چیزوں میں ہے جو وہ ظاہر نہیں کرتا۔

(7) مقصد کے بغیر زندگی ایسی ڈولتی کشتی ہے جسے اپنے ساحل کا پتہ نہ ہو۔

(8) اخلاق ایک ایسا ہتھیار ہے جو پتھر کو بھی کاٹ سکتا ہے۔

(9) پانی بنو جو اپنا راستہ خود بناتا ہے، پتھر نہ بنو جو دوسروں کا راستہ روک لیتا ہے۔

(10) خوش اخلاقی ایک خوشبو ہے جو میلوں دور سے محسوس ہو جاتی ہے۔

■

Ansari Sanoobar Bano Mukhtar Ahmad
Islahul Banat Urdu Girls High School
Dhule (Maharashtra)

آؤ اردو سیکھیں

बच्चो! जहाँ तक आपने सीखा उससे आगे के तीन हुरूफ और उनसे बनने वाले लफ्ज़ सीखते है–

بچو! جہاں تک آپ نے سیکھا اس سے آگے کے تین حروف اور ان سے بننے والے لفظ سیکھتے ہیں۔

दाल (د) डाल (ڈ) ज़ाल (ذ)

د ڈ ذ

दाल (د)से दांत; दरख़्त; दुकान; दवात

د سے دانت؛ درخت؛ دُکان؛ دوات

डाल (ڈ) से डाली; डंडा; डोली; डफ़ली

ڈ سے ڈالی؛ ڈنڈا؛ ڈولی؛ ڈفلی

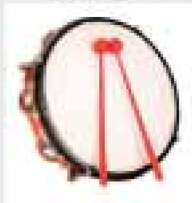

ज़ाल (ذ) से ज़र्रा; ज़िहन; ज़खीरा; ज़ाकिर

ذ سے ذرہ؛ ذہن؛ ذخیرہ؛ ذاکر

آپ کا دماغ کتنا تیز ہے؟

دوستو! یہ دونوں تصویریں دیکھنے میں تو ایک جیسی لگتی ہیں لیکن تصویروں کی نقل بنانے والے سے ایک دو نہیں بلکہ دس غلطیاں ہو گئی ہیں۔ کیا آپ ان غلطیوں کو تلاش کر سکتے ہیں؟ 10 منٹ میں اگر آپ نے تمام غلطیاں تلاش کر لیں تو سمجھیے کہ واقعی آپ کا دماغ بہت تیز ہے۔

ہنسی کے غبارے

کسی گاؤں میں حادثات بہت کم ہوتے تھے۔ ایک دفعہ ایک سیاح بڑی سڑک سے گزر رہا تھا اس نے دیکھا کہ سڑک پر مجمع لگا ہوا ہے اس نے سوچا کہ ضرور کوئی حادثہ ہوگیا ہے۔ اس نے آگے بڑھنے کی کوشش کی مگر رش بہت زیادہ تھا اس نے عقلمندی کا مظاہرہ کرتے ہوئے چیخ چیخ کر کہا "مجھے راستہ دو میں اس کا رشتہ دار ہوں۔ مجھے راستہ دو میں اس کا رشتہ دار ہوں۔"

لوگوں نے اسے جھٹ راستہ دے دیا۔

وہ فاتحانہ شان سے آگے بڑھا تو چونک گیا۔ سڑک پر ایک گدھا مرا پڑا تھا۔

ایک سیاح ایک ہوٹل کے قریب رک گیا۔ لکھا تھا "ٹی وی مفت۔"

سیاح نے اندر داخل ہوکے کمرہ طلب کیا۔

ہوٹل کے منیجر نے پوچھا۔

"آپ سو روپے والا کمرہ لینا پسند کریں گے یا ڈیڑھ سو روپے والا؟"

"دونوں کمروں میں فرق کیا ہے؟" سیاح نے سوال کیا۔

"ڈیڑھ سو روپے والے کمرے میں آپ ٹی وی سے مفت لطف اندوز ہوسکیں گے۔" منیجر نے جواب دیا۔

شاعر اپنے دوست سے: میں تمھیں اپنی نظم سنا رہا ہوں، غور سے سن رہے ہو نا؟

دوست: بالکل سن رہا ہوں۔

شاعر: لیکن تم تو جمائیاں لے رہے ہو؟

دوست: بھلے مانس، یہی تو اس بات کا ثبوت ہے کہ میں نظم سن رہا ہوں۔

ڈاکٹر: یہ آپریشن بہت خطرناک ہے۔ سو میں سے نوے آدمی مرجاتے ہیں۔ آپریشن شروع کرنے سے پہلے مجھے یہ بتائیے کہ میں آپ کے لیے کیا کروں؟

مریض: صرف یہی کہ میری چھڑی اور جوتے دے کر کمرے سے باہر جانے کا راستہ بتا دیجیے۔

ایک چھوٹی بچی وکیل صاحب کے گھر گئی۔ وہاں اس نے جب ڈھیر ساری کتابیں دیکھیں تو کہنے لگی: انکل، کیا آپ بھی میرے ابو کی طرح لائبریری کی کتابیں واپس نہیں کرتے؟

پہلا دوست: یہ چیونٹیاں بھی عجب شے ہیں، بس ہر وقت کام..... میں لگی رہتی ہیں ان کی زندگی میں تو تفریح ہے ہی نہیں۔

دوسرا دوست: میں نہیں مانتا، ہم جب بھی پکنک پر گئے ہیں انھیں وہاں پہلے سے موجود پایا ہے۔

عرشیہ بی اسحق شاہ

جھوٹ کا انجام

ایک گاؤں میں ایک لڑکا رہتا تھا جس کا نام اویس تھا وہ بہت ہی شرارتی تھا۔ ہر روز نئی۔نئی شرارتیں کرتا اسے شرارتوں کے علاوہ کچھ بھی نہیں سوجھتا تھا۔ ایک دن اویس نے سوچا کہ گاؤں والوں کے ساتھ ایک مذاق کیا جائے اور جب اس کے گھر کے سبھی لوگ کام پر چلے گئے تب اس نے اپنے گھر کے باہر کھڑے ہو کر زور۔زور سے چلانا شروع کر دیا بھاگو۔ بھاگو جلدی آؤ ہمارے گھر میں سانپ آگیا ہے۔ گاؤں والے جلدی جلدی ہاتھوں میں لاٹھیاں لے کر اس کے گھر کے پاس جمع ہو گئے انھوں نے گھر میں جا کر دیکھا مگر انھیں کچھ بھی نہیں ملا تب انھوں نے لڑکے سے پوچھا کہاں ہے سانپ؟ سب کے پوچھنے پر لڑکا زور۔زور سے ہنسنے لگا اور کہنے لگا میں تو مذاق کر رہا تھا۔ دوسرے دن بھی لڑکے نے ایسا ہی کیا اور پورے گاؤں کے لوگ جمع ہو گئے مگر انھیں لڑکے کے سوا کچھ بھی نہیں ملا تیسرے دن بھی ایسا ہی ہوا۔ اب کے بار گاؤں والوں نے اویس کے ابّو سے اویس کی شکایت کی۔ دوسرے دن اویس کے ابّو نے کھیت میں جانے سے پہلے اویس کو گھر میں بند کر کے باہر سے تالا لگا دیا۔ لڑکا اندر بند تھا اچانک اسے کسی چیز کی آہٹ لگی وہ ڈر گیا اس نے غور سے دیکھا تو ایک سانپ اس کی طرف آ رہا تھا وہ چلایا بچاؤ بچاؤ سانپ سانپ وہ زور زور سے چلاتا رہا مگر اس کی مدد کو کوئی نہیں آیا وہ کھڑکیوں میں سے چیختا رہا چلاتا رہا مگر اس کی مدد کسی نے نہیں کی۔ کیونکہ سب جانتے تھے کہ وہ جھوٹ بولتا ہے مگر اس دن وہ سچ بول رہا تھا۔ آخر سانپ نے اُسے کاٹ لیا اور وہ تڑپ۔تڑپ کر مر گیا

تو دوستو دیکھا آپ نے جھوٹ کا انجام ہمیشہ بُرا ہی ہوتا ہے اس لیے کبھی بھی جھوٹ نہیں بولنا چاہیے۔

■

Arshia Bi Ishaque Shah
Class: V, Govt Urdu Primary School
Shah Pur, Distt.: Burhan Pur Sharif (MP)

سید مزمل سید کلیم

شیر لگے گھاس چرنے

افریقہ کے جنگل میں ایک ہرنی رہتی تھی جس کا نام رانی تھا جو کہ بہت عقل مند تھی اُسی جنگل کا راجا شیر ایک دن بھوک سے بے حال رانی کے مکان تک پہنچا اس نے رانی کو موٹی تازی دیکھ کر اُسے کھانا چاہا رانی نے شیر کو اپنے گھر کی طرف آتے ہوئے دیکھا تو اس کے دماغ میں ایک ترکیب آئی اس نے اپنے گھر میں دروازے کے پاس ایک گڑھا کھودا اور خود گھر کے کونے میں چھپ گئی شیر جیسے ہی گھر میں داخل ہوا وہ گڑھے میں گر گیا تب رانی باہر نکل کر ہنسنے لگی اور باہر چلی گئی شیر کو بہت غصہ آیا اور وہ بہت محنت کرنے کے بعد باہر نکل پایا باہر نکلنے کے بعد وہ غصے کی حالت میں ہرن کو ڈھونڈنے لگا۔ اس نے دیکھا کہ ہرن ایک پیڑ کے سائے میں بیٹھی ہے شیر خاموشی سے اس کی طرف بڑھنے لگا۔ ہرن نے شیر کو اپنی طرف آتے ہوئے دیکھ لیا تھا۔ اُس نے فوراً ایک بیل کو توڑ کر پھندا بنایا اور شیر کا انتظار کرنے لگی۔ شیر ہرن کی طرف تیزی سے آنے لگا جیسے ہی وہ ہرن کے قریب پہنچا اُس کا پیر پھندے میں پھنس گیا اور شیر درخت پر اُلٹا لٹک گیا وہ کافی دیر تک اُلٹا لٹکا رہا پھر اس کا ایک دوست وہاں پہنچا اُس نے شیر کو اس حالت میں دیکھ کر حیرانی سے پوچھا کمال ہے راجا کو بھلا پیڑ پر لٹکنے کی کیا ضرورت تب شیر نے دہاڑ کر کہا یہ سب اُس کمبخت ہرن کی وجہ سے ہوا ہے۔ میں اُسے زندہ نہیں چھوڑوں گا آنے والے نے اُسے زمین پر اُتارا دونوں غصے کی حالت میں ہرن کو ڈھونڈنے لگے اچانک شیر کی نظر ایک ٹیلے پر پڑی ہرن وہاں گھاس چر رہی تھی، شیر کے دماغ میں ایک ترکیب سُوجھی اُس نے اپنے دوست سے کہا اس بار ہم ہرن کو ضرور پکڑ لیں گے دونوں الگ۔ الگ سمت سے ہرن کی طرف لپکے ہرن نے شیروں کی حرکت کو بھانپ لیا۔ جیسے ہی شیر قریب آئے اور ہرن پر جھپٹے ہرن نے زوردار جمپ لگائی اور شیروں سے دور چلی گئی دونوں شیر آپس میں ٹکرا گئے اور زمین پر گر گئے۔ شیر نے تھک کر اپنے سب جنگلی دوستوں کو جمع کیا اور ان سے پوچھا کہ آخر کیا وجہ ہے کہ ہرن ہر بار ہم سے بچ جاتی ہے۔ سب نے اپنا۔ اپنا مشورہ پیش کیا آخر میں ایک بزرگ شیر کھڑا ہوا جس کی سبھی بہت عزت کرتے تھے اُس نے کہا کہ بیٹا سنا ہیں ہرن گھاس کھاتی ہے اس لیے اس کا دماغ تیز ہوتا ہے بوڑھے شیر کی بات سن کر راجا نے کہا اگر ایسا ہے تو ہم سب بھی آج سے گھانس کھایا کرینگے اور پھر شیروں نے بھی گھاس چرنے کا فیصلہ کرلیا شیروں کو گھانس چرتا دیکھ کر جنگل کے سبھی جانور بہت حیران ہوئے اور پھر جنگل میں امن ہوگیا اس واقعہ کہ بعد سے رانی کی عقلمندی کا چرچہ دور۔ دور تک ہونے لگا۔

■

Syed Muzammil Syed Kalim
Class :V, Govt Urdu Primary School
Shahpur, Distt.: Burhanpur

بچوں کی دنیا

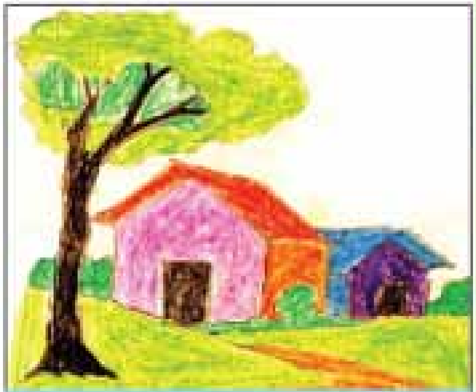

فرزانہ پروین، درجہ ہشتم، اردو مڈل اسکول، عالم چک، بیگو سرائے، بہار

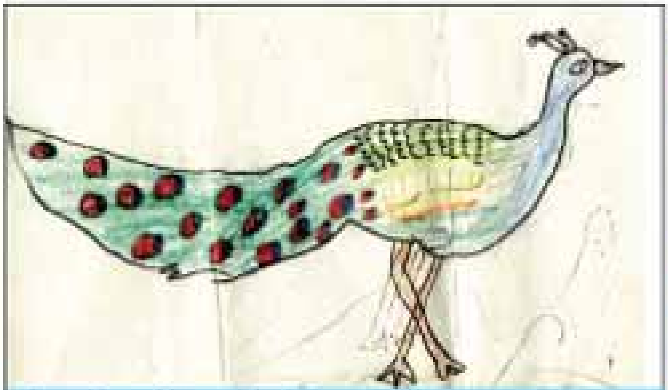

عائشہ صدیقہ آصف اقبال، درجہ چہارم، فرینڈس اردو پرائمری اسکول، حبیب نگر، امراوتی، مہاراشٹر

علینہ انصاری ڈاکٹر عبدالحسیب انصاری، درجہ ششم
سینٹ جانسن پبلک اسکول، ایئرو یشوری نگر، بنگلور، کرناٹک

شیخ کیف احمد شیخ جاوید احمد، چمپا چوک، اورنگ آباد، مہاراشٹر

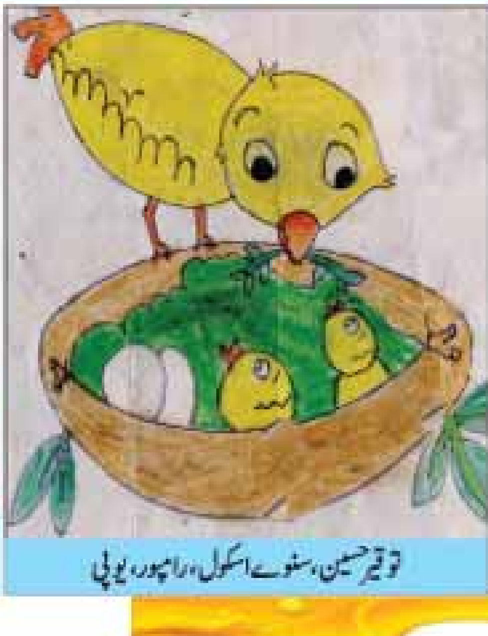

توقیر حسین، سنوے اسکول، رامپور، یوپی

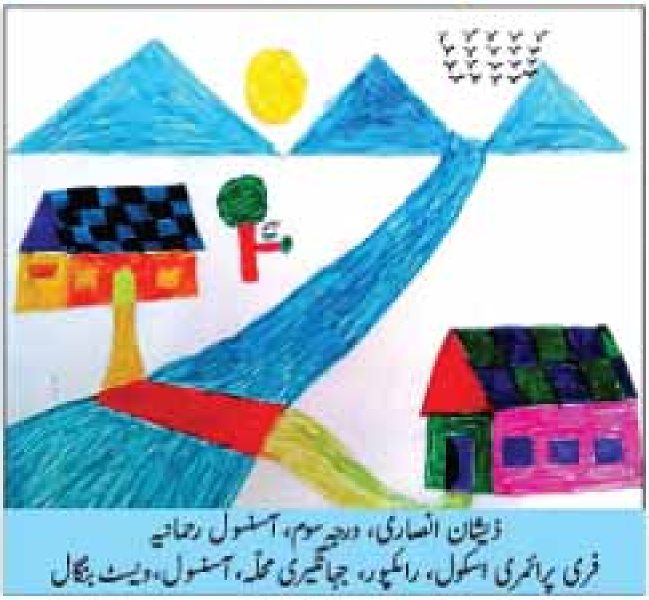

ذیشان انصاری، درجہ سوم، آسنسول رحمانیہ
فری پرائمری اسکول، رانگپر، جہانگیری محلہ، آسنسول، ویسٹ بنگال

عرشیہ بی شیخ افضل، درجہ ہفتم، الحسنات اردو ہائی اسکول، رسلپور، مہاراشٹر

اخشن الطاف شیخ، درجہ ہفتم، شولاپور سوشیل ایسوسی ایشن اردو ہائی اسکول اینڈ جونیئر کالج آف سائنس سولاپور (مہاراشٹر)

شیخ عادل شیخ اسلم، الحسنات اردو ہائی اسکول، رسلپور، ضلع جلگاؤں، مہاراشٹر

انشرا بی فاروق بیگ، درجہ ہفتم، الحسنات اردو ہائی اسکول، رسلپور، مہاراشٹر

نوازش کریم، درجہ ہفتم، سٹی ہائی اسکول، علی گڑھ مسلم یونیورسٹی، یوپی

جویریہ شیخ جاوید احمد، چمپا چوک، اورنگ آباد، مہاراشٹر

facebook اردو فیس بک

'بچوں کی دنیا' اپریل کا شمارہ بے حد پسند آیا۔ شمارے میں خاص طور سے علم کی اہمیت سے متعلق مدیر صاحب کا اداریہ بہت پسند آیا۔ اس شمارے میں بتایا گیا ہے کہ جن بچوں کو کھیل سے لگاؤ ہے وہ بچے ہر کام کو کھیل سمجھ کر پورا کرتے ہیں، چاہے وہ پڑھائی کیوں نہ ہو۔ بچوں کی دنیا کے ہر شمارے سے متعلق کیا کہوں؟ کہنے کے لیے الفاظ نہیں ملتے۔

شمائلہ ارم محمد اعجاز، جی این آزاد اردو ہائی اسکول، بارے گاؤں، اکولہ، مہاراشٹر

میں چوتھی جماعت میں پڑھتی ہوں۔ مجھے ماہنامہ 'بچوں کی دنیا' پڑھنا بہت ہی اچھا لگتا ہے۔ اس سے اچھی اچھی چیزیں سیکھنے کو ملتی ہیں۔ اپریل 2017 کا شمارہ اس وقت میرے سامنے ہے۔ اس کے سارے مضامین مجھے پسند آئے؛ خصوصاً نظمیں 'پانی' اور 'پیڑ پودے' اچھی لگیں۔ کہانیوں میں 'جادوگر کی سوئی'، 'بچی کا میابی' اور 'سبق' پسند آئے۔ آپ کا نصیحت آموز اداریہ بھی اچھا لگتا ہے۔

سیدہ مونس رضا بنت سید آصف رضا، نارومل (بڈگام) کشمیر

میں نے اردو کیسے اور کس سے سیکھا؟

میں درجہ ایک یا دو میں تھی۔ میرے پاپا راجیش کو شوق ہوا کہ میری بیٹی ہندی، انگریزی کے ساتھ اردو بھی پڑھے۔ میرے پڑوس میں ایک مولوی صاحب کا گھر ہے جن کا نام مولوی نثار احمد ہے۔ مولوی صاحب سے میرے پاپا نے کہا کہ میری بچی شپرا راج کو اردو پڑھانے کے لیے تھوڑا وقت دے دیجیے۔ انھوں نے منظور کرلیا اور کہا کہ جب بچی اسکول سے آئے تو ایک گھنٹہ کے لیے میرے گھر آجائے۔

پہلے دن جب میں گئی تو دیکھا ان کی تین بچیاں ہیں اور تینوں اسکول جاتی تھیں۔ ان کا نام اُم یمن، اُم فضل، اُم رباب تھا۔ مولوی صاحب نے اپنی بچیوں سے کہا کہ جب یہ بچی آجائے تو تم میں سے جس کو موقع ملے اس کو اردو پڑھادے اور میں نے اپنے اسکول میں بھی اردو سبجیکٹ لے لیا۔ جب درجہ آٹھ میں تھی تو ایک دن مولوی صاحب نے آپ کا رسالہ 'بچوں کی دنیا' دیا اور کہا کہ بیٹی فرصت کے اوقات میں اس کو پڑھتی رہنا اس سے تمھارا علم بڑھے گا۔ مولوی صاحب کی دعا اور میری محنت کا نتیجہ سامنے آیا کہ اس سال میں نے ہائی اسکول اردو سے کیا۔ ہائی اسکول کے امتحان سے پہلے مولوی صاحب نے علی گڑھ سے پرائیویٹ ادیب کا امتحان دلایا۔ تمام پرچے میں نے اپنے ہاتھ سے لکھے۔ ماہ نامہ 'بچوں کی دنیا' کے متعلق کیا لکھوں اس پر لکھنا سورج کو چراغ دکھانے کے مصداق ہوگا۔ آئندہ مضامین کے بارے میں لکھوں گی۔

شپرا راج جیسوال، درجہ: دہم، ڈیفنس پبلک اسکول،

قومی کونسل برائے فروغ اردو زبان کی چند مطبوعات

صفحات: 568، قیمت: 245 روپے

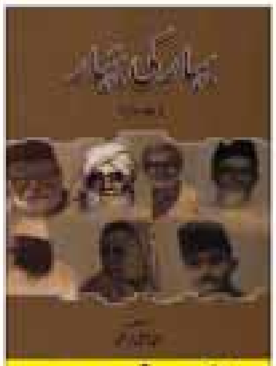

[illegible]

[illegible]

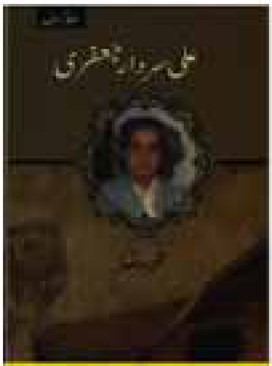

[illegible]

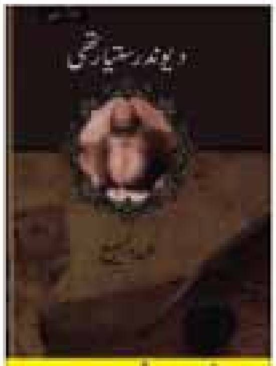

[illegible]

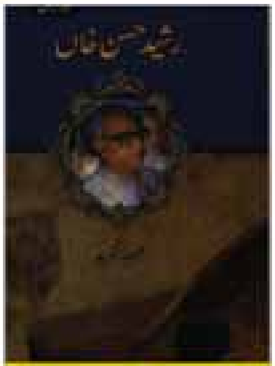

صفحات: 122، قیمت: 74 روپے

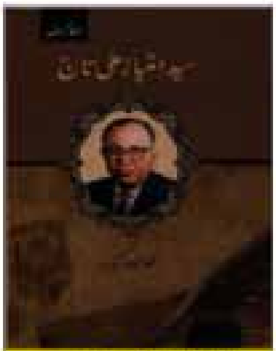

صفحات: 136، قیمت: 80 روپے

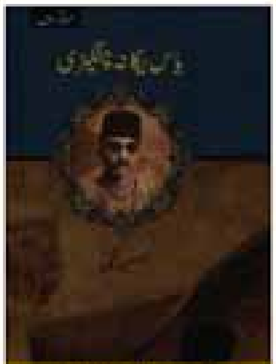

[illegible]

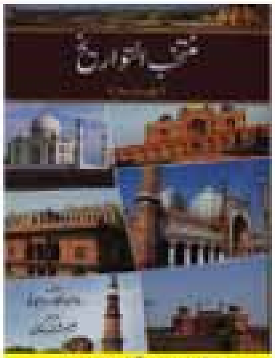

[illegible]

شعبۂ فروخت: قومی کونسل برائے فروغ اردو زبان، ویسٹ بلاک 8، وِنگ 7، آر کے پورم، نئی دہلی - 110066

فون: 011-26109746 فیکس: 011-26108159 sales@ncpul.in, E-mail.:ncpulsaleunit@gmail.com

BACHON KI DUNIYA Monthly, October 2017, Vol. 05, Issue: 10
National Council for Promotion of Urdu Language
Department of Higher Education, Ministry of Human Resource Development, Government of India

RNI NO. DELURD/2013/50375
DL(S) - 01/3439-2016-18
ISSN 2350-1286
Date of Publication : 11/09/17
Date of Dispatch: 12 and 13 of advance Month

سوچھ بھارت
ایک قدم صفائی کی جانب

بچوں کے لیے قومی اردو کونسل کی چند دلچسپ کتابیں

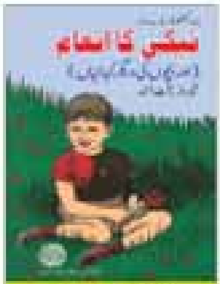
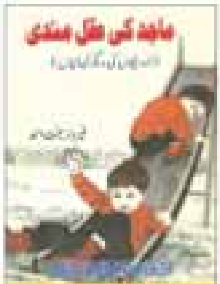

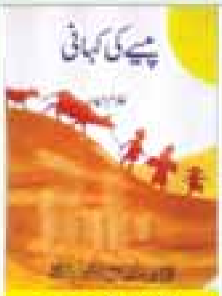

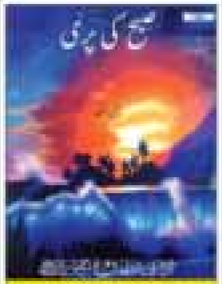

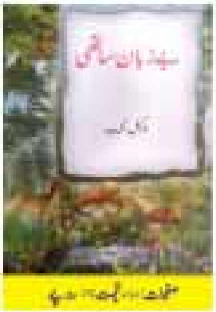
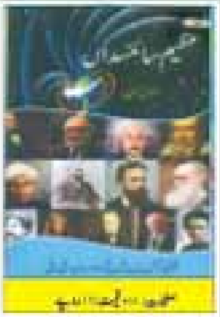
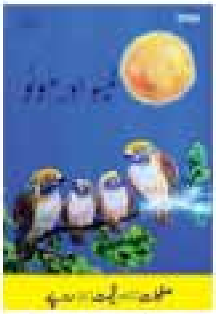
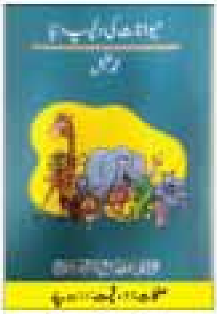

خریداری کے لیے رابطہ کریں:

شعبۂ فروخت: قومی کونسل برائے فروغ اردو زبان، ویسٹ بلاک 8، ونگ 7، آر کے پورم، نئی دہلی-110066

فون: 011-26109746، فیکس: 011-26108159، E-mail: ncpulsaleunit@gmail.com, sales@ncpul.in

Printed and Published by Prof. Syed Ali Karim, Director NCPUL, on behalf of National Council for Promotion of Urdu Language, and printed at S. Narayan and sons, B-88 Okhla Indl. Area Phase II, New Delhi - 110020
And Published at Faragh-E-Urdu Bhawan, FC-33/9, Institutional Area, Jasola, New Delhi -110025.